سلسلہ مطبوعات
رسائل ابن الفردوس ①
قسم الفقہ

آگ سے جلنے اور جلانے

کے شرعی احکام مسائل اور واقعات

تالیف
مفتی عبداللہ فردوس
رئیس دارالافتاء جامعہ الفلاح بخشالی مردان

تقریظ
مفتی فدا محمد صاحب
شیخ الحدیث دارالعلوم رحمانیہ مینی صوابی

تقریظ
مفتی عبید الرحمٰن صاحب
استاذ شعبہ افتاء دارالعلوم رحمانیہ مردان

مقدمہ
مفتی حبیب الرحمٰن اعظمی
استاذ شعبہ افتاء جامعہ اسلامیہ تحفیظ القرآن الکریم (مردان)

شعبہ نشر و اشاعت
جامعہ الفلاح بخشالی مردان

نام کتاب .... آگ سے جلنے اور جلانے
کے شرعی احکام، مسائل اور واقعات

تالیف .... مفتی عبداللہ فردوس
رئیس دارالافتاء جامعہ الفلاح بخشالی مردان

تعداد 1100

طباعت 2018ء

ملنے کا پتہ .... جامعہ الفلاح بخشالی مردان

رابطہ نمبر: 0302-5686853

بسم الله الرحمن الرحيم

حوالاجات

(۱) قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ مختلف تفاسروں سے لیا گیا ہے، البتہ ہر جگہ اسکے حوالے کا التزام رکھا گیا۔

(۲) اس کے علاوہ کتاب کی تفسیر، حدیث، فقہ اسلامی وغیرہ کی مختلف عبارات کے لئے جو حوالے دئے ہیں وہ مشہور ڈیجیٹل لائبریری المکتبہ الشاملہ سے لئے گئے ہیں۔

(۳) نیز اردو ''ڈیجیٹل لائبریری مکتبہ جبرئیل'' سے جگہ جگہ استفادہ کیا البتہ اصل کتابوں کے مطبع ومصادر کے عنوان کے تحت اجمالا ذکر کیا گیا ہے۔ جن مسائل میں تعلیق اور مزید وضاحت کی ضرورت تھی وہاں ان کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۴) علامات ترقیم کا خاص لحاظ رکھا گیا۔ دوران تالیف مختلف کتب سے استفادہ کی نوبت آئی اور بعض مسائل میں کچھ ایسی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا جن کے متعلق یہ کہنا مناسب ہے کہ ''ان النقل من البعض یکون للتائید لا لتوثیقھم''

(۵) ضرورت کی بناء پر بعض جگہ اردو فتاوجات کی مکمل سوال وجواب نقل کیا گیا۔

(۶) کتاب کے مرکزی موضوع سے ہٹ کر بھی بعض مسائل نقل کئے گئے ہیں، معمولی نسبت سے یا فائدہ کے لئے۔

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

فصل چہارم

جدید مسائل

عنوان	صفحہ نمبر

باب سوم

متفرقات

واقعات

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر

فصل دوم

آگ سے حفاظت کی مسنون دعائیں

فصل سوم

آگ سے بچنے کیلئے احتیاطی تدابیر

انتساب

اپنے مخدوم ومکرم، والد معظم جناب حاجی فردوس صاحب، جن کی مثالی تربیت اور کامل نگرانی اس ناکارہ کے لئے برابر راہ حق پر استقامت اور دینی خدمات کی انجام دہی کے لئے معاون بنتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ آں موصوف کا سایہ شفقت و عاطفت تا دیر صحت وعافیت کے ساتھ قائم رکھے۔ اور آپ کی عنایتوں کا بہتر سے بہتر بدلہ دارین میں عطا فرمائیں۔ آمین۔

اپنی مخدومہ ومکرمہ، والدہ معظّمہ مدظلہا ۔۔۔۔۔ جن کی مخلصانہ سحر گاہی دعائیں احقر کے لئے زندگی کا بڑا اسرمایا ہے۔ رب رحمن ورحیم آں موصوفہ کا سایہ رحمت، صحت وعافیت کے ساتھ باقی رکھے۔ اور آپ کی دعاوں کی بدولت اس ناکارہ کو ایسی دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائیں جو رضائے خداوندی کے ساتھ والدین محترمین کے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں بے مثال ٹھنڈک پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔ آمین، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

تقــــریظ

حضــــرتــــ مولانا مفتی فــد احمــــد مدظــلہ العــالیٰ

بسم اللہ الرحمان الرحیم الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

امابعد! تصنیف وتالیف اشاعت دین اور حفاظت دین کا ایک اہم شعبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف قرون اولیٰ سے اس اہم شعبے سے وابستہ رہے ہیں اور اس وابستگی کی برکت ہے، کہ قرآن وحدیث اور دیگر علوم وفنون کا ایک معتد بہ ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ اور آج جو جس موضوع پر قلم اٹھارہا ہے تو اسی کے لئے بنیادی مراجع اور مصادر کا ایک ایسا جامع ذخیرہ ہے جس کی طرف رجوع کئے بغیر تحقیق نا تمام ہے۔

تصنیف کا سب سے بڑا فائدہ مصنف کو ہوتا ہے۔ جتنا عرصہ مواد کی تحقیق میں لگ رہا ہے عبادت میں شمار ہوتا ہے، جتنا پیسہ لگ رہا ہے صدقہ جاریہ میں شمار ہوتا ہے، کتاب اگر فقط ایک آدمی بھی پڑھ لے اور اگر لے لے تو ساری محنت اور خرچ ٹھکانے لگ کر انتہائی مفید ثابت ہوا۔ اور اگر کوئی ایک فرد بھی نہ پڑھ لے تو پھر بھی تو مصنف کے لئے عنداللہ ایک مقبول عمل اور ذخیرہ آخرت ہے۔ حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مدظلہ العالی ایک صاحب استعداد عالم اور قابل مدرس ہے، پہلے سے اللہ تعالیٰ نے تحقیق ذوق نصیب فرمایا ہے۔ مختلف مدارس دینیہ میں بھی تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے علمی حلقوں میں پہلے سے معروف ومشہور ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک تعلیمی ادارہ نصیب فرمایا ہے جس کی انتظامی اور تعلیمی ذمہ داریاں خود اپنے کندھوں اٹھارہے

ہیں۔ مختصر عرصہ میں کامیابی کے شاہراہ پر گامزن ہے۔ جس کے اندر دیگر درجات کے علاوہ درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کا اجراء بھی کیا ہے۔

زیر نظر مسئلہ ''مسئلہ احراق'' ایک اہم اور نادر موضوع ہے۔ جس پر موصوف نے تحقیقی کام کیا ہے۔ کام مدلل اور باحوالہ ہے۔ میں کتاب کی مصروفیت کی بنیاد پر بالاستیعاب مطالعہ تو نہ کرسکا لیکن طائرانہ نظر ڈال کر جہاں بھی نظر پڑی بہت مفید پایا۔ اور امید ہے کہ علمی اور تحقیقی حلقوں میں تحسینی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ یہ کتاب مصنف کے لئے تحقیقی میدان میں اشغال اور انہماک کی پہلی کڑی ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مصنف کے لئے دنیا میں نیک فالی، ذکر خیر اور آخرت میں نجات اور درجات عالیہ کا ذریعہ بنا دے اور دعا ہے کہ یہ کتاب مصنف کو خاص کر اسی دن نفع پہنچا دے جس دن کوئی کسی کا کام نہیں آئے گا اور اعلان ہوگا کہ جس نے جو عمل کیا جس کے لئے کیا ہے اس سے جا کر بدلہ مانگ لے اور جس دن نہ مال نفع دے سکتا ہے اور اور نہ اولاد صرف وہی شخص کامیاب ہوگا جو گناہوں سے پاک وصاف دل لے کر آئے گا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

یوم لاینفع مال ولا بنون الا من الی اللہ بقلب سلیم (القرآن)

ویرحم اللہ عبدا قال امینا وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی الہ و صحبہ اجمعین۔

ابوعبید فدا محمد عفا اللہ عنہ

دارالعلوم رحمانیہ ومدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات مینی صوابی

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ ۱۳ مارچ ۲۰۱۸

تقریظ مولانا مفتی عبید الرحمان مدظلہ

باسمہ تعالیٰ حامدا و مصلیا

کسی خاص عنوان و موضوع پر رسالہ یا کتاب لکھنا کافی صبر آزما اور کٹھن مرحلہ ہوتا ہے خصوصا اس کا تعلق بھی زیر نظر رسالہ کی طرح کوئی غیر مخدوم اور متنوع موضوع کے ساتھ ہو، اس میں مولف مختلف مواد کو کتابوں کے پھیلے ہوئے وسیع و عریض ذخیرہ سے تلاش کرتا رہتا ہے پھر اس میں اپنے ذوق و اہداف کے مطابق چن چن کر ترتیب و تہذیب کی پروئی میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ پرو کر ایک گلدستہ کی شکل دیگر قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہ کس قدر مشکل توجہ طلب اور دقت طلب کام ہے؟

اس کا اندازہ ایسے علم دوست آدمی کے لئے مشکل نہیں جو کبھی اس راہ پر خطر کا راہی رہ چکا ہو، یہی وجہ ہے کہ عموما انہی جیسے لوگوں کے لئے نئی کتاب دلچسپی اور تسکین ذوق کا سامان کرتی ہے۔ زیر نظر رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جس میں حضرت مولف صاحب زید مجدھم نے کافی محنت اور تتبع کے ساتھ جلنے اور جلانے کے متعلق شرعی احکام اور مفید واقعات کا ایک مناسب ذخیرہ جمع فرمایا ہے۔ اس ناکارہ نے پوری تحریر پڑھی۔ اہل ذوق کے لئے مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولف اور ان کی اس کاوش کو قبولیت تامہ نصیب فرمائے۔

ناکارہ عبید الرحمان

دار الافتاء دار العلوم رحمانیہ مردان

۲۹ جمادالثانی ۱۴۳۹ھ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ ﷺ وبعد۔

اللہ تعالی نے تمام مخلوقات میں سے صرف دو قسم کی مخلوق کو اپنے احکام کا مکلف بنایا ہے اور اُن سے مختلف قسم کے احکامات پر عمل کرنے کا مطالبہ فرمایا ہے چنانچہ سب سے پہلے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو مخاطب فرما کر ان کے تخلیق کا مقصد بیان فرمایا کہ:

"وما خَلَقتُ الْجِنَّ وَ الِانسَ الاّلِيَعْبُدوْنَ" الایۃ

میں نے انسانوں اور جنات کو صرف اپنی عبادت کیلئے ہی پیدا کیا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے جہاں پر جن وانس کی تخلیق کا مقصد معلوم ہوتا ہے وہی پر ان کے مکلف ہونے کا علم بھی ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات میں صرف ان کو مکلف بنایا ہے۔اور ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں شریعت کی منشا پر چلنے کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔شریعت کے شعبے بہت سارے ہیں اور ان سے متعلق احکامات بھی بہت ہیں جن کو علمائے کرام نے تفصیل کیساتھ بیان کیا ہے، اور ہر شعبہ کے متعلق کتابیں لکھی ہیں اور ان کے احکامات کی تفصیل بیان کی ہے۔بعض احکامات کو علمائے کرام نے اپنی علمی تحقیقات کیلئے مختص فرمایا ہے اور اُن کی توضیح وتشریح فرما کر اُمت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی ہے۔انہی مسائل میں سے آگ سے جل جانے یا کسی چیز کو جلانے کے متعلق شرعی احکامات بھی ہیں کہ انسان کی زندگی میں آگ سے جڑے ہوئے مختلف قسم کے مسائل روزمرہ پیش آتے ہیں قرآن وسنت میں آگ سے متعلق مختلف قسم کے احکامات پائی جاتی ہیں اور فقہائے اسلام نے بھی ان احکامات کی توضیح وتشریح فرمائی ہے لیکن یہ احکامات قرآن وسنت اور فقہائے امت کی کتابوں میں بکھرے ہوئے اور منتشر موتیوں کی طرح پڑے ہوئے تھے، اور پھر خاص کر عربی کتابوں میں ان موتیوں کی مثال درر اور غرر کی طرح

تھی۔اُردو زبان میں آگ سے جل جانے یا کسی چیز کے جلانے کے شرعی احکام کے متعلق کوئی مستقل کتاب وجود میں نہیں آئی تھی، اگر چہ اُردو کتابوں اور فتاوی وغیرہ میں بھی یہ مسائل بکھرے ہوئے پڑھے تھے۔لیکن مستقل کتاب کی صورت میں اس کو وجود دینے کی سعادت فاضل، مخدوم گرامی **جناب مولانا مفتی عبداللہ فردوس مدظلہ** کی قسمت میں تھی، کہ انہوں نے علمائے اسلام کی کتابوں کو کنگال کر ان بہترین بکھر ہوئے اور منتشر موتیوں کو ایک ہی ہار میں پرو کر امت مسلمہ کے مسلمانوں پر ایک بہت ہی عظیم احسان فرمایا! اس سے پہلے عوام الناس بلکہ خواص بھی ان مسائل کو تلاشنے کیلیے سرگرداں تھے۔اللہ تعالیٰ سعادت دارین نصیب فرمائیں مولانا موصوف کو کہ انہوں نے ان مسائل کو ایک ہی کتاب ''آگ سے جلنے اور جلانے کے شرعی احکام'' میں تفصیل کیساتھ جمع فرما کرامت مسلمہ کی بہت بڑی رہنمائی فرمائی۔

اور مجھ ناچیز پر بھی یہ احسان فرمایا کہ مجھے اس سعادت میں شریک ہونے کا حکم دیا کہ میں اس پر مقدمہ لکھوں یہ جناب مفتی صاحب کا مجھ پر حسن ظن ہے ورنہ یہ ناچیز اس قابل نہیں ہے۔یہ کام تو اکابر علمائے دین کا ہے میں تو ایک ادنی طالب علم ہوں میں کیا اور میری حیثیت کیا ہے۔لیکن اس غرض سے لکھنے کی حامی بھر لی کہ اس دینی خدمت میں اگر اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز سے کچھ کام لینا ہی نصیب فرمایا ہے تو اس سعادت کو اللہ کا فضل سمجھ کر ہی بسم اللہ کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میرے قلم سے ایسی باتیں صادر فرمائیں کہ وہ میرے لیے آخرت کا ذخیرہ بنے اور تمام مسلمانوں کیلیے رہنمائی کا سبب۔آمین یارب العالمین

حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا میں بھیجا ہے، اور اسلام کو اللہ تعالیٰ نے رحمت اور امن وامان کا دین بنایا ہے، اسلام نے کسی جرم پر سزا دینے میں چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر یا کسی موذی جانور کو قتل کرنے میں آگ سے سزا دینے سے ممانعت فرمائی ہے۔کیونکہ آگ سے کسی کو سزا دینے کا حق صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہے جیسا کہ اس کا بیان آئندہ ہوگا۔

اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ کیا اسلام کے قانون کے اندر کچھ خاص حالات وغیرہ میں بطور عقوبت یا بطور حد یا بطور تعزیر کسی کو جلایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ علمائے اسلام اس کے متعلق کیا کہتے ہیں اور مذاہب اسلام کی اس میں کیا رائے ہے۔؟ اسکی تفصیل انشاء اللہ آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں بطور مقدمہ کے کچھ مسائل ترتیب وار لکھے جاتے ہیں جو مشیر ہوں گے پوری کتاب کے مضامین کی طرف اور مقدمہ کہتے ہی اس کو ہے کہ اس میں وہ باتیں ہوں جو کتاب کے مقصد کی طرف رہنمائی کرے۔

الغرض شریعت نے انسان کو کسی کی جان لینے یعنی وہ چیزیں جن کی جان لینا انسان کیلئے جائز ومباح کیا گیا ہے اُن میں شریعت نے احسان کا حکم فرمایا ہے چنانچہ حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں:

قال رسول الله عليه وسلم -: إن الله كتب الإحسان على كل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة (رواه مسلم في كتا الصيد والذبائح (3729)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے متعلق احسان کرنا لازمی قرار دیا ہے پس جب تم میں سے کوئی کسی کی جان لے تو بہتر طریقے سے لے۔

اور ایک روایت میں ہے:

ونهى عن التعذيب بالنار (جامع العلوم الحكم، ج: ۱، ص: ۵۰)

اور آپ ﷺ نے آگ سے کسی چیز کو عذاب دینے سے منع فرمایا ہے۔

یہ اسلامی شریعت کی خصوصیت ہے کہ اس میں ظلم وزیادتی نہیں ہے یہ اسلام کا عام قانون اور عام قاعدہ ہے کہ اس میں کسی کو آگ سے سزا دینے کی ممانعت ہے لیکن کچھ خاص حالات اس عام قاعدے اور قانون سے مستثنیٰ ہیں وہ کونسے حالات ہیں اور اس کی کیا صورت ہے؟۔ یہ باتیں آپ حضرات مختصراً اس مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں گے اور تفصیل کیساتھ پوری کتاب کا

مطالعہ کرنے کے بعد۔ انشاء اللہ

یہ مقدمہ تین مباحث پر مشتمل ہے:

(۱)۔۔پہلی بحث یہ ہے کہ کفار اور باغیوں کو جلایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲)۔۔دوسری بحث یہ ہے کہ قصاص، حدود اور تعزیر میں کسی کو جلایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳)۔تیسری بحث یہ ہے کہ حشرات الارض اور موذی جانوروں کو جلایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۱)۔۔۔پہلی بحث۔چار باتوں پر مشتمل ہے

(۱)۔جہاد میں جنگ کرنے والے کفار کو جلانا۔

(۲)۔کفار کے اموال کو جلانا۔

(۳)۔مرتدین کو جلانا۔

(۴)۔باغیوں اور اُن کے اموال کو جلانا۔

(۱)۔۔جہاد میں جنگ کرنے والے کفار کو جلانا

اس مسئلہ کے متعلق فقہائے اسلام فرماتے ہیں کہ دشمن پر قدرت حاصل ہوجانے کے بعد اُن کو جلانا جائز نہیں ہے۔علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

'إذا قدر عليه فلا يجوز تحريقه بالنار بغير خلاف نعلمه" المغنی"

جہاں تک ہمارے علم میں ہے تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ دشمن پر قدرت پانے کے بعد جلانا جائز نہیں ہے۔

لیکن جہاں تک قدرت سے پہلے کی بات ہے جیسا کہ معرکہ کے دوران یا ان پر قدرت حاصل ہونے سے پہلے تو اس مسئلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں: احناف اور اہل ظواہر جواز کے قائل ہیں اور یہی قول امام سفیان ثوریؒ کا بھی ہے۔اور صحابہ کرامؓ میں حضرت علیؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ اور دیگر حضرات بھی جواز کے قائل ہیں۔المحلی (294/7)۔(بدایۃ المجتہد (339/2)۔(فتح الباری

(174/6)۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا حاجت کیلئے تو جائز ہے یا اس وقت کہ جب دشمن پر غالب ہونے کا اور کوئی چارہ نہ ہو تو دشمن کا مثلہ کرنا یا اُن کو آگ میں جلانا جائز ہے۔ المبسوط (32/10)، وحاشیہ ابن عابدین (317/3)

علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

"فأما حرقهم قبل أخذهم بالنار فإن أمكن أخذهم بدونها لم يجز رميهم بها، لأنهم في معنى المقدور عليه، وأما عند العجز عنهم بغيرها فجائز في قول أكثر أهل العلم"

جہاں تک دشمن پر قابو پانے سے پہلے اُن کو جلانے کی بات ہے تو اگر دشمن پر قابو پانا اس کے بغیر بھی ممکن ہو تو پھر دشمن پر آگ پھینکنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اُن کا حکم قدرت پانے والوں جیسا ہے، اور جہاں تک اُن پر قابو پانا جلانے کے بغیر ممکن نہ ہو تو پھر اکثر اہل علم کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے۔ اور بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر دشمن آگ سے جلانے کی ابتداء کریں تو پھر جواباً اُن کو جلانا بھی جائز ہے ورنہ نہیں۔ (بدایۃ المجتہد (339/2))

(۲)۔۔۔کفار کے اموال کو جلانا:

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کفار کے گھروں، جانوروں، اور فصلوں کو جنگ کے دوران جلانا جائز ہے کہ نہیں۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ دشمن کے علاقوں میں اُن کے اموال کو جلانا اور برباد کرنا جائز ہے۔ فتح الباری (179/6)۔ جبکہ بعض علماء نے کچھ تفصیل بیان کی ہے: امام مالک ؒ نے درختوں، پھلوں اور عمارتوں کے ہلاک کرنے کو جائز بتایا ہے، لیکن مویشی اور کھجور کے درختوں کے جلانے کو ناجائز بتایا ہے۔ (بدایۃ المجتہد (340/2)، المبسوط (32/10) وفتح القدیر لابن الہمام (447/5) وحاشیۃ ابن عابدین)

اورامام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''کہ گھروں اور درختوں کے اگر معاقل ہوں تو پھر اُن کو جلانا جائز ہے ،اور گر معاقل نہ ہوں تو پھر گھروں اور درختوں کو خراب کرنا مکروہ ہے۔(الام(4/272،273)ونہایۃ المحتاج(8/61)وانظر الاشباہ والنظائر تحت قاعدۃ الضرر یزال(ص60)

امام احمدؒ فرماتے ہیں: ''بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں جلانا جائز ہے البتہ بطور کھلواڑ کے جلانا جائز نہیں ہے۔اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جلانا سنت ہے جبکہ دشمن پر غلبہ حاصل ہوتا ہو۔اور ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ جہاں ضرورت جلانے کی داعی ہو تو پھر جائز ہے۔اور جن چیزوں کے قطع کرنے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو تو پھر جائز نہیں ہے۔(المغنی(13/146)

(۳)۔۔۔۔مرتدین کو جلانا:

مرتد اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی خوشی سے اسلام قبول کرلے اور پھر دوبارہ اسلام کو چھوڑ کر اپنا پرانا دین یا کوئی اور دین اختیار کرلے۔اکثر علماء مرتدین کو جلانے کی حرمت کے قائل ہیں اباحت کی کوئی تصریح علماء کے اقوال میں نہی ملتی البتہ بعض آثار اسکے متعلق ملتے ہیں:

(۱)۔۔حضرت علیؓ کا اثر:

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں ک امیر المومنین علیؓ کے پاس زنادقہ کو لایا گیا تو آپؓ نے اُن کو آگ میں جلادیا۔جب یہ بات حضرت ابن عباسؓ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ میں ہوتا تو میں اُن کو نہیں جلاتا کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ :''لاتعذبوا بعذاب اللہ''اور اس لیے بھی کہ آپ ﷺ نے اُن کو قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے:''من بدل دینہ فاقتلوہ''رواہ البخاری۔

(۲)۔۔۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اثر:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین کے جلانے کا حکم فرمایا اور یہ کام حضرت خالد بن ولیدؓ نے آپؓ کے حکم پر سرانجام فرمایا۔(البدایۃ والنہایۃ(6/237،239)،وفتح الباری(6/237،239))

(۳)۔۔۔حضرت معاذ بن جبلؓ کا اثر:

حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے اور معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا اور حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن سکھاؤ ایک دن معاذ بن جبلؓ حضرت ابوموسیؓ کی ملاقات کیلئے تشریف لائے تو دیکھا ایک آدمی کو انہوں لوہے کیساتھ باندھا ہوا ہے، معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ بھائی! یہ کیا ہمیں لوگوں کو سزا دینے کیلئے بھیجا گیا ہے؟ یا اُن کو دین سکھانے اور وہ باتیں سمجھانے کیلئے جو اُن کو نفع دیں؟ تو ابوموسی اشعریؓ نے فرمایا کہ یہ پہلے تو مسلمان ہوا پھر مرتد ہو گیا۔ معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق دین دے کر بھیجا ہے میں اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھونگا جب تک میں اُس کو آگ میں نہ جلادو، ابوموسیؓ نے کہا کہ ہمارا ان کے ذمہ کچھ بقایا ہے، معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں اُسے کبھی نہیں چھوڑونگا، پھر فرمایا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس لکڑیا جمع کی گئی اور آگ جلا کر اُس مرتد کو اُس میں پھینک دیا گیا۔(رواہ الطبرانی فی الکبیر(15888)

(۴)۔۔۔باغیوں اور اُن کے اموال کو جلانا:

باغی مسلمانوں کی اُس جماعت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے امام کے خلاف بغاوت کریں یا اُس کی اطاعت کو قبول نہ کریں اور جمہور مسلمانوں کے بعض احکام میں تاویل سے مخالفت کریں، اور اُن کو ایک قوۃ اور غلبہ حاصل ہو اور کسی علاقہ پر اُن کا قبضہ ہو۔

باغیوں کے متعلق علماء کی رائے یہ ہے کہ نہ تو اُن کا جلانا جائز ہے اور نہ ہی اُن کے اموال کا جلانا ،اور نہ اُن کیساتھ بھاری ہتھیاروں کیساتھ جنگ کرنا جائز ہے جیسا کہ آگ جلانے سے، یا منجنیق سے، یا اُن پر دریا کا بند توڑنے سے، یا ان پر سانپ اور بچھو یا ان جیسے موذی جانور چھوڑنے سے، اور نہ اُن کے گھوڑوں کے کونچے کاٹنے سے البتہ اگر وہ ان گھوڑوں سے جنگ کریں تو پھر جائز ہے۔ اور نہ ہی اُن کے درخت اور فصلوں کے کاٹنے سے۔(حاشیۃ ابن عابدین(4/265،266)

وحاشیۃ الدسوقی (4/299،300) ومغنی المحتاج (4/127،128)، فلا یرمون بما یعم إتلافہ، انظر: المغنی (12/247)

(۲)۔ دوسری بحث

حدود، قصاص اور تعزیر میں جلانے کا حکم

اس میں دو قسم کے مسائل کا بیان ہے:

(۱)۔۔لواطت میں جلانے کا حکم۔

(۲)۔۔قصاص میں جلانے کا حکم

(۱)۔۔لواطت میں جلانے کا حکم:

لواطت کی حد میں علماء کے اقوال مختلف ہیں: ''مالکیہ کہتے ہیں کہ لوطی کا حد سنگساری ہے، شادی شدہ ہو یا غیر شادہ شدہ۔ اور یہی ایک روایت امام احمدؒ سے بھی منقول ہے۔ اور یہ حضرت علیؓ ، حضرت ابن عباسؓ کا بھی قول ہے۔ (المعونۃ (3/1400) ومواہب الجلیل (8/397) والثمر الدانی ص595۔ الشرح الکبیر (6/272) والمغنی (12/349)

شافعیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ لوطی کی سزا وہی ہے جو زانی کی ہے۔ اور یہی قول امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کا بھی ہے۔ (الام (7/139) ومغنی المحتاج (4/144)، والمغنی (9/59) وکشاف القناع (6/94)۔۔۔) فتح القدیر (5/262) ووطء البہیمۃ یعزر وروی عن الحنفیۃ تحرق البہیمۃ إذا کانت مما لا یؤکل رواہ أبو یوسف عن عمر الاختیار 4/92)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اُس پر کوئی حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔ اور اگر امام المسلمین تعزیرا جلانے کا حکم فرمائے تو بھی جائز ہے۔

(-المبسوط((9/79 وبدائع الصنائع ((9/185 وفتح القدیر((5/251 وانظر: الفقہ علی المذاہب الأربعۃ(.(5/141 ویحرق إن رأی الامام ذلک بدائع الصنائع ((3/694)

نیز صحابہ کرامؓ میں سے بعض صحابہؓ سے لوطی کا جلانا منقول ہے جیسا کہ:

حضرت ابو بکرؓ نے لوطی کو جلانے کا حکم فرمایا، اور یہی ابن زبیر کا قول بھی ہے۔ امام منذری

" فرماتے ہیں کہ لوطی کو آگ میں جلانے کی سزا چار خلفاء نے تجویز فرمائی ہے۔حضرت ابو بکر صدیق ؓ ،حضرت علی ؓ ،حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اور ہشام بن عبدالملک ؒ نے۔(المغنی (349/12)۔لترغیب والترہیب(3/198))

(۲)۔۔۔۔قصاص میں جلانے کا حکم:

امام شافعیؒ قصاص میں مماثلت کے قائل ہیں اگر چہ مماثلت جلانے ہی سے کیوں نہ ہو،امام مالکؒ نے بھی مماثلت کا قول کیا ہے لیکن امام مالکؒ کے اصحاب کا جلانے میں اُن کیساتھ اختلاف ہے۔احناف اور حنابلہ کہتے ہیں کہ قصاص صرف اور صرف تلوار سے لی جائے گی۔(بدایۃ المجتہد (4/309)،وشرح الدردیر (2/365، 366) والحطاب (6/322) والمہذب ص336،والحاوی ۔۔۔البحر الرائق (8/327) فتح القدیر (10/222)،وأحکام القرآن للجصاص (1/198) دار احیاء التراث العربی، تحقیق محمد قمحاوی،وکشاف القناع (5/538)،وعند أحمد روایتان،المغنی (11/513))

تیسری بحث حشرات کو جلانے کا حکم

اس میں دو قسم کے مسائل ہیں:(۱)۔آگ سے جلانا۔(۲)۔بجلی کے برقی آلہ سے مارنا

(۱)۔آگ سے جلانا

چار قسم کے حشرات چیونٹی،شہد کی مکھی،ہدہد اور لٹورا (ایک قسم کا پرندہ ہے) سے اگر سخت تکلیف پہنچتی ہو اور اُن سے کسی طرح خلاصی نہ ہوتی ہو تو پھر ان کا قتل کرنا جائز ہے اگر چہ آگ ہی سے کیوں نہ ہو۔اور اگر اذیت نہ دیتے ہوں تو پھر ان کا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔اگر چہ بغیر آگ کے ہی کیوں نہ ہو۔اور اگر آگ کے بنا کسی اور طریقہ سے اُن سے جان چھڑائی جاسکتی ہو تو پھر آگ سے جلانا جائز نہیں ہے۔کیونکہ ان چار قسم کے حشرات کے قتل کے بارے میں احادیث میں ممانعت آئی ہے جیسا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے:

"أن النبي -صلى الله عليه وسلم- نهى عن قتل أربع من الدواب: النملة والنحلة والهدهد والصرد(قال النووي رواه أبو داود بإسناد صحيح على شرط

البخاري ومسلم

کہ رسول اللہ ﷺ نے چار قسم کے جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور لٹورا۔

ان چار کے علاوہ تمام حشرات الارض، جیسا کہ جوئیں، کٹمل، پسو، مچھر، مکھی وغیرہ تو ان کو آگ کے ذریعہ قتل کرنا مکروہ فعل ہے، اور بغیر آگ کے جائز ہے اگر چہ اُن سے بالفعل اذیت نہ بھی ہوتی ہو، لیکن بہتر یہ ہے کہ اُن سے کچھ تعرض نہ کرے جبکہ وہ موذی نہ ہو

۔لما في الهندية:واحراق القمل والعقرب بالنار مكروه۔(الفتاوى الهندية: ج: ۵،۳٦١،الباب الحادى والعشرون فيما يُسع من جراجات الخ) وفيه ايضا۔۔قَتْلُ الزُّنْبورِ وَالْحَشَرَاتِ هَلْ يبَاحُ فِي الشَّرْعِ ابْتِدَاءً مِنْ غَيْرِ إيذَاءٍ وَهَلْ يُثَاب عَلَى قَتْلِهِمْ؟قَالَ لَا يُثَابُ عَلَى ذَلِكَ وَإِنْ لَمْ يُوجَدْ مِنْهُ الْإِيذَاءُ فَالْأَوْلَى أَنْ لَا يَتَعَرَّضَ بِقَتْلِ شَيْءٍ مِنْهُ كَذَا فِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى(الفتاوى الهندية: ج/۵،ايضا)

(۲)۔۔۔بجلی کے برقی آلہ سے حشرات کو قتل کرنے کا حکم

برقی آلہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں بعض وہ ہوتے ہیں جن کو بجلی میں لگایا جاتا ہے اور حشرات خود اس میں آ کر مرجاتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو ٹینس کی طرح ہے کہ آدمی اپنے ہاتھوں میں لیکر مچھروں اور مکیوں وغیرہ کو مارتا رہتا ہے۔ پہلی قسم میں تو کوئی حرج نہیں البتہ دوسری قسم میں تفصیل یہ ہے کہ جو حشرات کسی اور ذریعہ سے مارے جاسکتے ہوں اُن کو تو اس برقی آلہ سے مارنا اسی طرح جائز نہیں ہے جیسا کہ آگ سے جلانا جائز نہیں ہے۔ اور جن حشرات کو مارنے کا اور اُن کی اذیت سے بچنے کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو تو اُن کا برقی آلہ سے مارنا جائز ہے۔ جیسا کہ مچھر اور مکیاں وغیرہ بعض اوقات اتنی کثرت سے ہوجاتے ہیں کہ کسی طرح اُن سے خلاصی نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں برقی آلہ سے اُن کو مارنا جائز ہے۔ کیونکہ ان برقی آلوں کا حکم اس صورت میں اصل آگ کا نہیں ہوگا وہ اس لیے کہ اس برقی آلہ کیساتھ اگر کوئی کاغذ لگائی جائے یا کوئی کپڑا لگایا جائے تو اُس کو آگ نہیں لگتی اگر یہ آگ ہوتی تو آگ ضرور لگ جاتی بلکہ اسکا حکم

صعقہ کا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ان حشرات کی موت جلنے کی وجہ سے نہیں بلکہ صعقہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔۔علمائے عرب میں سے دو مشہور علماء مفتی مکہ شیخ ابن بازؒ تو برقی آلہ کیساتھ حشرات کو مارنے کے عدم جواز کے قائل ہیں جبکہ شیخ عثیمین جواز کے قائل ہیں اور یہ بات اُنہوں نے فرمائی ہے کہ اس برقی آلہ میں جو حشرات مرجاتے ہیں وہ صعقہ سے ہوتی ہے نہ کہ جل جانے سے۔واللہ اعلم بالصواب

بہر حال یہ کتاب ان بکھرے اور منتشر موتیوں جیسے مسائل اور واقعات کا وہ بہترین ہار ہے کہ جس کو مخدوم گرامی جناب مولانا مفتی عبداللہ فردوس مہتمم جامعۃ الفلاح نے بڑی محنت اور جانفشانی سے پھرو کر امت مسلمہ کے مسلمانوں کی گردنوں میں ڈال کر اُن کو سجایا ہے۔اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر سعادت دارین کا ذریعہ بنائے۔آمین یارب العالمین

خادم اہل العلم والعلماء

ابوالعز حبیب الرحمن الاعظمی عفا اللہ عنہ وعن والدیہ

استاذ شعبہ افتاء جامعہ اسلامیہ تحفیظ القرآن الکریم پارہوتی مرادن

۶ جمادالثانی ۱۴۳۹ھ بمطابق ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

پیش لفظ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین، سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد

میں اپنے تمام اسلامی بھائیوں، بالخصوص طالبان علوم نبویہ ﷺ کے سامنے یہ کتاب پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے اللہ ذوالجلال کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس کی توفیق اور مدد سے کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس کے بعد اپنے والدین بزرگوار کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی انتھک تعلیمی وتربیتی کوششوں کی بدولت دین اسلام کی ادنیٰ سی خدمت کا شرف حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا وعقبیٰ کی بھلائیوں سے نوازے اور اسے ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے نیز جملہ معاونین کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ (آمین)

آخر میں تمام اہل علم اور طالبان علم سے میری پُرخلوص درخواست ہے کہ اگر کتاب میں کسی بھی قسم کی فروگزاشت نظر آئے تو بشکر وامتنان ضرور مطلع فرمائیں۔

اظہار تشکر

میں جامعہ کے تمام اساتذہ کرام کا عموماً اور جناب مولانا مفتی منظور صاحب اور جناب مولانا مفتی سعید احمد صاحب کا خصوصاً بے حد شکر گزار اور احسان مند ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کی تصحیح میں مشقت اُٹھائی ہے۔ اور اسکے علاوہ میں درجہ خامسہ کے طالب علم سربلند اور درجہ ثانیہ کے طالب علم عبداللہ کا بھی انتہائی مشکور وممنون ہو کہ جنہوں نے کمپیوٹر کی تصحیحات کی مشقت برداشت کی ہے۔

☆☆☆

تمہید

حق تعالیٰ نے اس کائنات میں انسانوں کے فائدے کیلیے بے شمار چیزیں پیدا فرمائی ہیں جن کو ہم مختلف اوقات میں اپنی ضروریات میں استعمال کرتے ہیں بعض چیزیں ان میں ایسی ہیں کہ جنکا مقصد تعمیری ہے جیسا کہ زمین کے جنس سے جتنی چیزیں ہیں اُن میں تعمیری پہلوں غالب ہے ۔اور بعض وہ چیزیں ہیں جو تعمیری اور تخریبی دونوں کاموں کیلیے استعمال کی جاتی ہیں جیسا کہ آگ ۔آگ کی خاصیت میں اصل تو تخریب ہے لیکن اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ انسان اپنی معاشرتی زندگی میں آگ کا انتہائی محتاج ہے آگ بھی اسکی زندگی کی ضرورریات میں سے ایک اہم ضرورت ہے ۔اس لیے جہاں دیگر چیزوں کے متعلق شریعت نے احکام کی تفصیل بتائی ہے وہاں پر آگ سے متعلق احکامات بھی بیان کیے ہیں اور پھر خاص کر''احراق''''احکام التحریق بالنار'' آگ سے کسی کو جلانے ،مقدس اوراق کو جلانے ،دشمن کے اموال کو جلانے ،جانوروں کو آگ سے جلانے ،حشرات الارض کو جلانے ،حدود ،قصاص ،تعزیراً کسی کو جلانے وغیرہ وغیرہ مختلف قسم کے احکامات جو انسان کو اپنی زندگی میں درپیش ہیں جو جلنے اور جلانے سے تعلق رکھتے ہیں اُن احکامات کو علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں تفصیل کیساتھ بیان کیا ہے۔عصر حاضر میں اس خدمت کو پورا کرنے میں موسوعات فقہیہ نے پوری کوشش کی ہے ۔علمائے کرام نے اس مسئلہ کو''احکام التحریق بالنار'' کیساتھ موسوم کیا ہے اور عربی میں اسکے احکامات کو جداگانہ اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے لکھنے والوں کو جزاءِ خیر عطاء فرمائے۔آمین

لیکن اُردوں میں اس مسئلہ پر کوئی مستقل کتاب نہ مل سکی جسمیں اس موضوع کے متعلق مسائل کو یکجا جمع کیا گیا ہو۔تو اس لحاظ سے اس موضوع پر کام کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ٹھہری ،اس موضوع کے طرف بندہ کیونکر متوجہ ہوا؟ کس وجہ سے اس موضوع کا انتخاب کیا گیا؟ تو اسکا جواب باعث تصنیف میں بیان کیا جائے گا۔انشاءاللہ

باعث تصنیف:

ہر کتاب لکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی محرک ضرور ہوتا ہے کہ کبھی علماء، طلباء کی طرف سے کسی خاص مسئلہ پر تحقیق کرنے کی فرمائش ہوتی ہے، جیسا کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ جسکی پیدائش ۱۳۵ھ سنہ میں ہوئی، انھوں نے سیدنا امام شافعیؒ کو درخواست بھیجی، خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ میں سیدنا امام شافعیؒ کے بغدادی شاگرد ابوثور کے حوالہ سے اس درخوات کو نقل کیا ہے:

كتب عبدالرحمن بن مهدى الى الشافعي وهو شاب ان يضع له كتابا فيه معانى القرآن ويجمع فنون الاخبار۔۔۔الخ

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن مہدی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ بھیجا، جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عنفوان شباب ہی میں تھے کہ وہ ایک کتاب لکھیں جس میں قرآن کے معانی ومطالب بیان کیے جائیں اور جس میں اخبار واحادیث کی اقسام بیان کیے جائیں۔ (تدوین فقہ واصول فقہ ص ۱۷۵ مولانا سید مناظر احسن گیلانی)

اسی طرح علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ بنام "ہدم الجانی علی البانی" لکھا۔ اور اس کی وجہ تالیف یہ بتائی کہ مسجد کے قرب وجوار میں شراب کی دکان کھولی گئی، یہ جگہ بدکاری، شراب نوشی میں اتنی مشہور ہوگئی کہ لوگ باری کے انتظار میں قطار در قطار کھڑے ہوتے ایک سے یہ انتظار نہ ہوسکا، یہاں تک کہ ایک کو مسجد میں لڑکے کے ساتھ بدفعلی پر دیکھا گیا۔ اس گھر کے قرب وجوار میں ایک نیک آدمی رہا کرتا تھا۔ وہ خود اپنی وسعت وطاقت کے مطابق روک تھام کرتا تھا۔ اور اس گھر کے مالک کے ساتھ بھی بات چیت کرتا لیکن مالک مکان کرایہ کی بھاؤ کی لالچ کی وجہ سے لیت ولعل سے کام لیتا تھا۔ یہاں تک کہ گھر کے مالک نے کہا "ہذہ اُمۃ مذنبۃ" یہ گناہ گار امت ہے۔ یہ بزرگ آدمی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور اس معاملہ کی

شکایت کی تو علامہ سیوطی نے کہا اگر یہ مذکورہ گھر گناہوں سے خالی نہ کیا جائے تو میں اس گھر کے منہدم (گرانے) ہونے کا فتوی صادر کرونگا۔ ان لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ "ہذا لیس بحکم اللہ" کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے۔ پھر وہ شخص شیخ شمس الدین الیافعیؒ کے پاس چلا گیا اور ان سے فتوی طلب کیا اس نے عدم جواز کا فتوی دیا۔ اور ساتھ یہ کہا کہ جس صاحب نے گھر منہدم ہونے کا فتوی دیا اس کو تعزیر دیا جائے گا۔ اس کے خلاف علامہ سیوطیؒ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "رفع منار الدین وہدم بناء المفسدین" رکھا اور "ہدم الجانی علی البانی" اس کا اختصار ہے اور جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اسلامی قلمکاروں نے اس موضوع پر بہت کم لکھا ہے آپ کو بازار سے کوئی جامع اور تحقیقی کتاب اس موضوع پر نہیں ملے گی حالانکہ یہ موضوع بہت اہمیت کا حامل ہے، اور وقت کی بہت اہم ضرورت بھی ہے۔

کبھی عام مسلمانوں کو ایک اہم مسئلہ کی ضرورت ہوتی ہے، تو صاحب علم اپنی قلم کو حرکت دیتا ہے، تو اس کی برکت سے وہ کتاب منظر عام پر آجاتی ہے، اور کبھی کبھار عام طبقہ ایک مسئلہ پر عمل پیرا ہوتا ہے، مگر وہ شریعت کے اصل منشاء کے خلاف ہوتا ہے، راقم الحروف کی اس کتاب کا محرق بھی یہی آخری سبب ہے کہ لوگ اپنی سنی سنائی دیکھی دکھائی پر عمل پیرا ہوتے ہیں، اور مسئلہ کی اصل صورت کچھ اور ہوتی ہے۔ آج کے دور میں اس قسم کے مسائل بہت کثرت سے عام مسلمانوں میں رائج ہوتے جارہے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک دیندار مسلمان نے قبرستان کی صفائی آگ کے ذریعہ سے کرنے کے بارے میں پوچھا کہ قبرستان میں جو جھاڑیاں گھاس وغیرہ پیدا ہوجاتی ہے اُن کو جلا کر قبرستان کی صفائی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ الغرض یہ سوال اس تصنیف کا اصل محرک اور باعث بنا اور جب راقم الحروف نے اس مسئلہ کیلئے کتابوں کی ورق گردانی شروع کی تو معلوم ہوا کہ اُردو دان طبقہ سے اس میدان میں کوئی شہسوار ابھی تک نہیں اُترا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اس موضوع پر کام شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ وللہ الحمد والمنۃ

بابـــ اول

’’فصـــل اول‘‘

احـــراق کی لغوی واصطـلاحی تعـــریفـــات

احـــراق کی لغوی تعـــریفـــ قاموسـ الوحیـدسے:

احراق کا لغوی معنی ہے جلانا۔حرق النارالشیٔ:آگ نے فلاں چیز کو جلایا۔جلانا،جلنے کا نشان ڈالنا،جھلس دینا۔احرق الشیٔ:بھسم کرنا،جلاڈالنا،فنا کرنا،

الحَرَق:جلن اسکی جمع حُروق ہے۔(القاموس الوحید مادہ حرق،ص:۳۲۹)

احـــراق کی لغوی تعـــریفـــ موسوعـــہ فقہیہ سے:

الإحراق لغة مصدر أحرق.(الموسوعة الفقهيه،ج:٢،ص:١١٥،مادہ ،احراق)

لغت میں احراق ’’احرق‘‘ کا مصدر ہے،جسکا معنی جلانا ہے۔باب افعال سے مصدر ہے اور مجرد سے اسکا معنی جلنا ہے۔

احـــراق کی اصطـلاحی تعـــریفـــ موسوعـــہ فقہیہ سے:

أما استعماله الفقهي فيؤخذ من عبارات بعض الفقهاء أن الإحراق هو إذهاب النار الشيء بالكلية، أو تأثيرها فيه مع بقائه، ومن أمثلة النوع الأخير:الكي والشي

جہاں تک اسکے فقہی استعمال کا مسئلہ ہے تو فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احراق آگ کا کسی شیٔ کو کلیۃً ختم کردینا یا اسکے باقی رہتے ہوئے اس میں اثر انداز ہونا،آخری قسم کی مثالوں میں سے ’’کیّ‘‘(داغنا) اور ’’شیٔ‘‘(بھونا) ہے۔(الموسوعۃ الفقہیہ،ج:۲،ص:۱۱۵،مادہ،احراق)

آگ کس زبان کا لفظ ہے

آگ سنسکرت کا لفظ ہے، سنسکرت میں اصل لفظ اگنی ہے، پراکرت میں اگی، ہندی میں اگن ہے۔اردو زبان میں آگ مستعمل ہے۔تاریخی حقائق اور اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے اصل ماخذ سنسکرت معلوم ہوتی ہے، اردو میں آگ بطور اسم اور بطور صفت دونوں طرح سے مستعمل ہے،سب سے پہلے ۱۵۸۲ء میں ''کلمۃ الحقائق'' میں مستعمل ملتا ہے۔(اُردو لغت ۲۰۱۳ء)

''فصل دوم''

احراق کیساتھ استعمال ہونے والے الفاظ یعنی الفاظ مترادفہ

متعلقہ الفاظ: بہت سے اصطلاحی الفاظ سے احراق کا رشتہ ہے جن میں سے چند اہم یہ ہیں۔

(الف) اتلاف کے معنی فنا کردینا ہے، یہ احراق سے عام ہے۔

(ب): تسخین۔ تسخین کا معنی ہے کسی چیز کو گرمائش پہنچانا، یہ احراق سے مختلف چیز ہے

(ج): غلی (ابالنا) یہ تسخین کا آخری درجہ ہے جس مادہ کو ابالنا مقصود ہو اسکے اعتبار سے ''غلی'' میں فرق ہوتا رہتا ہے، غلی بھی احراق سے مختلف چیز ہے۔

(د): کیّ (داغنا) اس کا مطلب یہ ہے کہ لوہا یا کوئی اور چیز گرم کر کے جسم کے اس حصہ پر رکھی جائے جیسے بیماری ختم ہوجائے یا جس رگ سے خون بہہ رہا ہے اس کا بہنا بند ہوجائے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ، ج:۲، ص:۱۱۵، مادہ، احراق)

''فصل سوم''

آگ سے جلانے یا جلے ہوئے اشیاء کے احکام

ضروری نوٹ:

اس فصل کے تمام احکامات موسوعہ فقیہ ج:۲، ص:۱۱۵ سے لیکر ج:۲، ص:۱۲۴ تک ماخوذ ہیں عربی عبارات کا لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ مسئلہ کی وضاحت اپنے الفاظ میں کی گئی ہے اور بعض مقامات پر لفظی ترجمہ بھی کیا گیا ہے لیکن اسکا التزام نہیں کیا گیا، نیز موسوعہ فقہیہ کی ترتیب کو بعینہ برقرار نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اپنی مقصد وضرورت کے مطابق مسائل کی تخریج کی گئی ہے۔ لہذا ہر مسئلہ کے کیساتھ حوالہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ امید ہے کہ اہل علم تسامح فرمائیں گے۔

مقاصد کے اختلاف کے اعتبار سے احراق کے مختلف احکام ہوتے ہیں جن کو تین قسموں میں تقسیم

کیا جاسکتا ہے
(۱) مختلف چیزوں پر احراق کے اثر انداز ہونے سے متعلق احکام (۲) حد، قصاص اور تعزیر میں کسی کو جلانے کے اعتبار سے احراق کا حکم (۳) آگ سے کسی چیز کو داغنے یا جلا کر علاج کرنے کے اعتبار سے احراق کا حکم (۴)

(۱) مختلف چیزوں پر احراق کے اثر انداز ہونے سے متعلق احکام

مختلف چیزوں پر احراق کا جو اثر ہوتا ہے اُن کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) کسی نجس چیز کے پاک ہونے میں (احراق) جلانے کا اثر:

اس میں احناف اور مالکیہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ جب کسی نجس چیز کو جلایا جائے اور اس جلانے سے اُس چیز کی عین اُس کے اوصاف بدلنے سے تبدیل ہوجائے، یا اُس چیز کی حقیقت ہی بدل جائے اور اُس سے کوئی دوسری چیز بن جائے۔ مثال کے طور پر کسی مردار جانور کو جلایا جائے اور وہ راکھ بن جائے، یا دھواں بن جائے۔ تو جلانے کی وجہ سے اُسکی جو حقیقت بدل گئی ہے تو اس سے وہ پاک ہوگئی۔ اور پھر وہ چیزیں جو اپنے ذات کے اعتبار سے ہی پاک تھی اور اُس کو کوئی نجاست خارج سے لگ گئی تو جلانے سے وہ بدرجہ اُولیٰ پاک ہوجائے گی۔ جیسا کہ کسی کپڑے کو نجاست لگ جائے اور اُس کو جلایا جائے تو وہ پاک ہوجائے گا۔

(۲) دھوپ اور آگ سے زمین کی پاکی:

جب زمین پر کوئی نجاست پڑھ جائے، اور وہ نجاست سورج کی دھوپ کی وجہ سے سوکھ جائے یا آگ کی تپش سے سوکھ جائے اور اس نجاست کا اثر، رنگ اور بو، باقی نہ رہے، تو اس جگہ پر نماز پڑھنا احناف کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ زمین کی پاکی اُس کا سوکھ جانا ہے۔ البتہ اس جگہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ تیمم کی کیلیے پاک مٹی کی شرط نص قطعی (فتیمموا

صعیدا طیبا) سے ثابت ہے اور زمین کی پاکی سوکھ جانے سے دلیل ظنی سے ثابت ہے۔اس لیے سوکھ جانے سے طہارت قطعی کا تحقق نہیں ہوگا جو تیمم کیلئے مطلوب ہے۔

(۳) راکھ سے تیمم کرنے کا حکم:

جو چیز جل کر راکھ ہو جائے اُس سے بالا جماع تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔البتہ جو چیز جلائی جائے اور وہ راکھ نہ بنے تو احناف اور شوافع کے راجح مذہب میں اس سے تیمم کرنا جائز ہے، کیونکہ جلانے سے وہ اپنی اصل جنس سے نہیں نکلا ہے۔

(۴) جلی ہوئی نعش کو غسل دینے کا حکم:

مسلمان کی جو لاش جل جائے اُس کو بھی دیگر لاشوں کی طرح غسل دیا جائے گا، اگر اُس کو غسل دینا ممکن ہو، کیونکہ غسل سے مستثنیٰ صرف اُس شہید کی لاش ہے جو جہاد کے میدان میں شہید ہوا ہو۔اگر چہ وہ معرکہ میں اُس کے کسی فعل سے جل ہی کیوں نہ گیا ہو۔اور جہاں تک اُس جلے ہوئے لاش کی بات ہے جو معرکہ سے باہر جل گیا ہو تو اُسکا حکم شہداء آخرت کی ہے۔اُس پر شہداء دنیا کے احکامات جاری نہیں ہونگے۔

(۵) جلے ہوئے شخص کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

اس میں احناف شوافع اور مالکیہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ اُس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ بعض کے نزدیک نماز جنازہ کی صحت کیلئے میت کو غسل دینا شرط ہے۔اور بعض کے نزدیک کے میت کے بعض یا اکثر حصہ کا موجود ہونا پس جب اُس کو غسل دینا، تیمم کرنا متعذر رہا تو اُس پر نماز جنازہ شرط کے نہ ہونے کی وجہ سے نہ پڑھی جائے گی۔

(۲) حدود، قصاص اور تعزیر کے اعتبار سے بھی احراق کے احکامات کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) دانستہ کسی چیز کو جلانے کا حکم

کسی چیز دکو دیدہ ودانستہ جلانا جنایت عمد شمار ہوگا اور اس پر جنایت عمد کے احکام جاری ہونگے کیونکہ ایسی صورت میں آگ تیز الہ کی طرح عمل کریگا۔

(۲) جلانے کے ذریعے قصاص لینے حکم

اس میں احناف اور حنابلہ کا راجح مذہب اور مالکیہ کا غیر مشہور مذہب عدم جواز کا ہے کہ قصاص صرف تلوار ہی سے لیا جاسکتا ہے اور کسی چیز کیساتھ نہیں اگر کسی نے بطور قصاص کسی کو آگ میں ڈال دیا تو اُس پر تعزیر جاری ہوگی۔

(۳) مالک کا اپنے غلام کو آگ کی سزا دینے کا حکم:

اس میں جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ جو مالک اپنے غلام کو آگ سے جلا کر سزا دے تو اس سے وہ غلام اسکی غلامی سے نہیں نکلے گا۔ اور آقا کے اس فعل پر حاکم وقت اُس کو سزا دے گا۔ جبکہ امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، اور امام لیثؒ فرماتے ہیں کہ اُسکا یہ غلام آزاد ہوجائے گا اور اُسکی ولایت آقا کو حاصل ہوگی۔

(۴) لواطت میں جلانے کی سزا دینے کا حکم

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ فاعل اور مفعول کی سزا کا حکم ایک جیسا ہے اور وہ تعزیر ہے اور حاکم وقت کیلئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ آگ کے ذریعہ سے اُس کو جلا کر تعزیر دے۔ مزید تفصیل انشاء اللہ آئندہ بیان ہوگی۔

(۵) بدفعلی کئے گئے چوپایہ کو جلانے کا حکم

جانور کیساتھ جس نے بدفعلی کی ہو تو اُس شخص کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اُس پر حد نہیں لگائی جائے گی بلکہ اُس کو تعزیری سزا دی جائے گی، اور اُس جانور کا حکم یہ ہے کہ اگر اُسکا کھانا حلال نہ ہوتو اُس کو جلا دیا جائے گا۔ تاکہ اُس جانور کو دیکھ کر بار بار اُس گناہ کی یاد تازہ نہ ہو۔ اور اگر وہ

جانور حلال جانوروں میں سے ہو تو اُسکا جلانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔البتہ اُس کو ذبح کر کے کھایا بھی جا سکتا ہے لیکن مکروہ ہوگا۔

(۳) آگ سے کسی چیز کو داغنے یا جلا کر علاج کرنے کے اعتبار سے احراق کا حکم

(۱) آگ کے ذریعے داغ کر علاج کرنے کا حکم

بغیر شدید ضرورت کے آگ سے کسی کو داغ دیکر علاج کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ آگ سے عذاب دینا ہے۔اور آگ سے عذاب دینے کا حق صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ہے۔لیکن جب داغنے کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ علاج نہ ہو تو پھر یہ جائز ہے۔ چاہے وہ داغنا لوہے سے ہو یا کسی دوسری چیز کیساتھ۔

(۲) پہچان کیلئے کسی جاندار کو داغ کر نشان لگانے کا حکم

لوہے یا کسی اور چیز کو آگ میں گرم کر کے کسی جانور کے چہرے کو داغنا بالاتفاق ممنوع ہے۔تو جب جانور کے چہرے کو داغنا جائز نہیں تو انسان کے چہرے کو داغنا بدرجہ اولی ممنوع ہوگا۔ کیونکہ انسان مکرم ہے اور ایسا کرنا اسکی کرامت کی وجہ سے حرام ہے۔اور یا اس وجہ سے بھی کہ اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اور نہ ہی آگ سے اُس کو سزا دینا جائز ہے، جانوروں کو داغنے کے متعلق علماء کی ایک جماعت نہی کو کراہت پر محمول فرماتے ہیں اور ایک جماعت نہی کو حرمت پر محمول فرماتے ہیں اور یہی راجح ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کے فاعل پر لعنت بھیجی ہے، اور لعنت کا تقاضا تحریم ہوتا ہے۔۔الخ اور جہاں تک انسان کے علاوہ دیگر چیزوں کو چہرے کے علاوہ جسم کے دوسرے حصہ پر داغنے کی بات ہے تو جمہور علماء اسکے جواز کے قائل ہیں، بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ صحابہ کرامؓ کے فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زکاۃ اور جزیہ کے جانوروں کو داغتے تھے۔اور امام

ابوحنیفہؒ کا مذہب کراہت کا ہے کہ اس میں آگ سے تعذیب دینا، مثلہ کرنا ہے۔

☆☆☆

باب دوم

تمہید

اس باب میں تین فصلیں ہیں فصل اول: شرائع من قبلنا میں تحریق کا پس منظر، فصل دوم: نبی ﷺ کے متعلقات پر آگ کا اثر انداز نہ ہونا، فصل سوم: فقہی مسائل

"فصل اول"

شرائع من قبلنا "یعنی ہم سے پہلی" شریعتوں میں جلنے جلانے کا پس منظر

پہلی شریعتوں میں جلانے کے پس منظر کے متعلق چند واقعات

حضرت آدمؑ کے زمانے میں صدقات کی قبولیت آگ سے جل کر ہوتی تھی

جانوروں کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے عبادت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا گیا، اور قربانی کی قبولیت کا ایک خاص طریقہ تھا کہ آسمانی آگ آکر اس کو جلا دیتی تھی قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

"قال الإمام ثناء الله تحت قوله تعالى {حتى ياتينا بقربان تاكله النار} القربان في الاصل كل مايتقرب به العبد إلى الله عزوجل من نسيكة وصدقة وعمل صالح۔۔۔۔ثم صار اسما للذبيحة التي كانوا يتقربون بها إلى الله تعالى وكانت القرابين والغنائم لاتحل لبني إسرائيل فكانوا إذا قربوا او غنموا غنيمة جاء ت نار بيضاء من السماء لادخان لها لها دوى خفيف فيأكل ويحرق ذلك القربان والغنيمة فيكون ذلك علامة القبول إذا لم تقبل بقيت على حالها۔ (التفسير المظهري ص:١٨٨۔آل عمران

آیت: ۱۸۳، ط: ادارۃ اشاعت العلوم لندوۃ المصنفین، دھلی تفسیر روح البیان: جلد: ۲ ص: ۴۷۸-سورۃ المائدۃ، آیت: ۲۷- ط دار احیاء)

ترجمہ:...... تاوقتیکہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ لائے جس کو (آسمانی) آگ کھا جائے۔

(لفظ) قربان بروزن فعلان قربت سے مشتق ہے۔ اصل لغت میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کو پیش کر کے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے خواہ کوئی ذبیحہ ہو یا صدقہ یا نیک عمل پھر استعمال میں صرف اس ذبیحہ پر اطلاق ہونے لگا جس کو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے لوگ پیش کرتے تھے قربانیاں اور مال غنیمت بنی اسرائیل کے لیے خود کام میں لانا درست نہیں تھا اس لیے جب کوئی قربانی کرتے یا مال غنیمت پاتے تھے تو اللہ کے لیے پیش کرتے تھے۔ (اور قبول یا عدم قبول کی یہ شکل ہوتی تھی کہ) آسمان سے آگ سفید بے دود آتی تھی جس کے آنے سے ایک گونج اور گڑگڑاہٹ کی آواز ہوتی تھی اور آخر اس قربانی کو کھا جاتی تھی یہ قبول ہونے کی علامت تھی اور اگر آگ نہ آتی اور وہ قربانی اصلی حالت پر رہ جاتی تو نامقبول سمجھی جاتی۔

پچھلے انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں یہ طریقہ تھا کہ صدقات کے اموال کو کسی میدان یا پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا پھر آسمانی آگ ان کو آکر جلا دیتی تھی اور یہی علامت صدقات کی قبولیت کی ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کی امت کو حق تعالیٰ نے یہ خاص امتیاز عطاء فرمایا ہے کہ اموال صدقات آسمانی آگ کی نذر کرنے کے بجائے مسلمان فقیروں ومحتاجوں کو دے جاتے ہیں۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ ج ۲ ص ۲۵۴)

بنی اسرائیل میں صدقات کی قبولیت آگ سے جل کر ہوتی تھی

بنی اسرآئیل میں یہ طریقہ تھا کہ وہ قربانی، مال غنیمت، یا صدقہ کو ایک میدان میں رکھ دیتے تھے۔ آسمان سے آگ آتی اور اس کو کھا لیتی تھی، یہ اس کی قبولیت کی نشانی ہوتی تھی۔ لیکن یہ سارا معاملہ لوگوں کے سامنے ہوتا تھا، جس کا سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ ابن المنذر نے ابن جریر ؒ سے روایت کیا ہے کہ ہم سے پہلے امتوں میں سے جب کوئی قربانی پیش کرتا تھا تو لوگ باہر نکل آتے تھے اور دیکھتے تھے اگر آگ ہوتی تو یہ صدقہ وغیرہ قبول ہونے کی پہچان ہوتی۔ (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۴۲۰)

جب کہ تفسیر کبیر میں ہے کہ بنی اسرائیل گھروں سے باہر نکلتے تھے تو اسمان سے سفید آگ نازل ہوتی اور یہ ایسی آگ تھی کہ اسکی آواز میں معمولی گونج سی تھی، اور اس میں دھواں نہ ہوتا، اور یہ صدقہ کو کھا لیتی تھی۔

> و بنو اسرائیل خارجون واقفون حول البیت فتنزل ناربیضاء لها دوی خفیف ولادخان لها فتاکل کل ذالک القربان۔ (سورۃ ال عمران ایت ۱۸۳: التفسیر الکبیر ج۳ ص ۴۴۹ کذافی روح المعانی ج۵ ص ۱۷۵)
>
> بنی اسرائیل گھروں سے باہر نکلتے تھے تو اسمان سے سفید آگ نازل ہوتی اور یہ ایسی آگ تھی کہ اسکی آواز میں معمولی گونج ہوتی تھی اور اس میں دھواں نہ ہوتا پس یہ صدقہ کو کھا لیتی تھی۔

فائدہ: ۔۔۔ وہ پہلا شخص جس نے آگ کی عبادت کی۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ بعض نے فرمایا: {فطوعت له نفسه قتل اخیه} اس سے مراد مقتول جسم ہے پھر وہ عدن کی زمین کی طرف بھاگ گیا، پھر ابلیس اس کے پاس آیا اور کہا آگ نے تیرے بھائی کی قربانی کو کھا لیا ہے، کیونکہ وہ آگ کی عبادت کرتا تھا، تو بھی آگ کی عبادت کر یہ تیرے لئے اور تیرے اولاد کے لئے ہو جائے گی ''فبنا بیت نار فھو اول من عبدالنار فی ما قیل'' پس اس نے آگ کی عبادت کرنے کے لئے ایک مکان بنایا یہ پہلا شخص تھا جس نے آگ کی عبادت کی، واللہ اعلم (

تفسیر قرطبی اردو سورۃ مائدہ آیت ۳۰)

ابراہیم علیہ السلام کی سوختگی کا منصوبہ

{قالوا حرقوہ و انصروا الھتکم ان کنتم فعلین }(سورۃ الانبیاء ایت ٦٨)

ترجمہ :تو انہوں نے کہا کہ اس کو آگ میں جلادو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔

بادشاہ سے لیکر ادنی آدمی تک پوری کی پوری قوم مشرک تھی اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ کس طرح ابراہیم علیہ السلام کو ختم کردیا جائے تاکہ آئندہ اسے ہمارے معبودوں کی توہین کرنے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ انہوں نے آپؑ کو ختم کرنے کے لئے زندہ جلانے کی سخت سزا تجویز کی ”زنا جیسے قبیح جرم کی سزا سنگساری ہے جو سابقہ اقوام میں بھی رائج تھی اور ہماری شریعت میں بھی برقرار ہے۔ مگر اس سے بھی سخت سزا جلاڈالنے کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں میں ایسی سزا دینے کا اختیار کسی کو نہیں دیا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی آدمی کو آگ میں جلانے کی سزا نہ دی جائے کیونکہ یہ سخت ترین سزا اللہ تعالیٰ خود مشرکین کو دیگا۔ بہرحال مشرکین نے ابراہیم علیہ السلام کو سوختگی کی سزا دینے کا فیصلہ کرلیا۔

کہتے ہیں کہ اس حکم پر عمل درآمد کے لئے ایک ماہ کا وقفہ دیا گیا اور اس دوران میں آگ جلانے کے لئے وسیع پیمانے پر ایندھن جمع کرنے کی مہم شروع ہوئی۔ سب لوگوں نے اس کام میں اپنا اپنا حصہ ڈالا حتیٰ کہ جو عورت بیمار ہوجاتی یا اس کا بچہ بیمار ہوجاتا تو وہ منت مانتی کہ شفایابی پر ابراہیم علیہ السلام کی آگ کے لئے اتنا ایندھن جمع کروں گی۔ جب ایندھن جمع ہوگیا تو مقررہ تاریخ پر آگ جلائی گئی جس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ اب ابراہیم علیہ السلام کو

آگ میں پھینکنے کا مسئلہ تھا۔تو آپ کے کپڑے اتار کر بالکل برہنہ کر دیا اور آپ کو پھینکنے کے لئے منجنیق استعمال کرنے کا فیصلہ ہوا۔بخاری شریف حدیث نمبر ۴۷۴۰۔اور ترمذی شریف حدیث نمبر ۳۱۶۷ میں آتا ہے کہ حشر کے میدان میں سب لوگ برہنہ ہوں گے،تو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنائیں گے آپ کو یہ اعزاز مشرکین کی طرف سے برہنہ کر کے آگ میں پھینکنے کے عوض میں ملے گا۔جب مشرکین نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا {**یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم**} اے آگ! ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا خبردار! آپ کو جلانا نہیں۔تفسیری روایات کے مطابق ابراہیم علیہ السلام نے تین دن، چالیس دن، یا پچاس دن اس آگ میں گزارے۔ مشرکین کو یقین ہو گیا کہ آپ بھسم ہو چکے ہوں گے مگر اُدھر سے اللہ کا حکم بھی ہو چکا تھا لہذا آگ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور ابراہیم علیہ السلام کے جسم کا ایک بال بھی ضائع نہ ہوا۔صرف وہ رسیاں جل گئیں جن سے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھے گئے تھے اور اس طرح آپ اُن رسیوں سے بھی آزاد ہو گئے اور اللہ نے آپ کو زندہ سلامت رکھا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ابراہیم علیہ السلام کے جلانے سے روک دیا تھا، اور جلا ڈالنے والی آگ بطور معجزہ آپ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔(معالم العرفان فی دورس القرآن ج ۱۳ ص ۳۵۰)

مولانا عبدالباریؒ نے سائنس کے متعلق کتاب لکھی ہے جس میں بہت سے سائنسدانوں کے اقوال نقل کیے ہیں۔ان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ''ہر سبب جب مسبب سے ملتا ہے تو وہ حکم کا منتظر ہوتا ہے کہ اس سبب کا اثر ظاہر کروں۔اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا مسبب الاسباب ہے وہ جب چاہتا ہے کسی سبب کے اثر کو ظاہر کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس اثر کو روک لیتا ہے، جدید سائنس دانوں نے بھی تسلیم کیا ہے، گویا سبب اور مسبب، علت اور معلول کے درمیان یہ ربط عقلی طور پر لازمی نہیں بلکہ جدا بھی ہو سکتا ہے۔

چنانچہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو مذکورہ بالا اصول کے تحت آگ نے اپنے اثر کو روک لیا اور اس طرح ابراہیم علیہ السلام جلنے سے بچ گئے۔

''دشمن اگر قویست ،نگہبان قوی تر است''

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں ''وحرم نظام اللزوم غیز مرضی'' یعنی نظام قدرت میں علت ومعلول کے تلازم کو باطل کرنا پسندیدہ امر نہیں ہے۔ عام طور پر اللہ تعالیٰ علت اور معلول کے رشتے کو قائم رکھتا ہے اور علت معلول پر اثر انداز ہوتا ہے، تاہم کبھی کبھی اس کے بر عکس ہوجاتا ہے اور علت اپنا اثر ظاہر نہیں کرتی چونکہ یہ چیز عام عادت کے خلاف ہوتی ہے اس لئے اس کو معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (معالم العرفان فی دورس القرآن ج ۱۳ ص ۳۵۰)

براہیم علیہ السلام کے دخول نار کے منکرین

[۱]۔۔۔علوم القرآن میں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں جب مغرب کے مشہور فلسفی نیوٹن نے سترھویں صدی میں قانون تجاذب کا انکشاف کیا تو اس کائنات اور اس میں پائی جانے والی ہر چیز کے بارے میں ایک نظریہ مقبول عام ہوا، جیسے میکانکی حیات کہتے ہیں اور سادہ لفظوں میں اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ پوری کائنات علت ومعلول کے نظام میں اس طرح جکڑی ہوئی ہے کہ اس سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتی، یہاں پائی جانے والی ہر چیز کی ایک فطرت یا نیچر ہے، جو اس کے لیے لازم ذات ہے، اور کبھی اس سے الگ نہیں ہوسکتی، مثلاً آگ کی فطرت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جلائیگی، اسی طرح فطرت کا الگ ہونا ممکن نہیں، چنانچہ یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ آگ موجود ہو اور اس سے جلانے کی خاصیت ختم ہوجائے۔

جب پوری دنیا میں اس طرح نظریہ کا ڈنکا بجنا شروع ہوا تو مغرب کے مفکرین نے ایسے تمام واقعات کا مذاق اڑانا شروع کیا جنھیں وہ مافوق الفطرت سمجھتے تھے، اور جو ان کے دریافت کئے ہوئے علت ومعلول کے نظریے کے خلاف تھے، چنانچہ انھوں نے ہر اس چیز کو توہم پرستی قرار

دے دیا جو عادی اسباب کے ماتحت واقع نہ ہوئی ہو، اس نظریہ کی گھن گرج اور اس سے زیادہ مافوق الفطرت اشیاء کے استہزاء نے عالم اسلام کے بعض متجددین کو بھی انتہائی مرعوب ومتاثر کر دیا اور جب انہوں نے دیکھا کہ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے بہت سے معجزات مذکور ہیں جو اس نظریہ سے میل نہیں کھاتے تو انہوں نے قرآن کریم کے الفاظ میں ایسی کھینچ تان شروع کر دی کہ جس سے یہ سارے معجزات اہل مغرب کی اصطلاح میں مافوق الفطرت یا سپر نیچرل ہونے کے بجائے عادی اسباب کے ماتحت آجائیں۔ مثلاً علت ومعلول کے مذکورہ بالا نظریہ کے مطابق جلانا آگ کی لازمی خاصیت تھی جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوسکتی۔ لیکن قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ان کے لیے آگ کو ٹھنڈا کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ عالم اسلام کے بعض تجدد پسند لوگوں نے اس واقعہ ہی سے انکار کر دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا، اور اس غرض کے لیے قرآن کریم کی واضح آیتوں میں ایسی کھینچ تان شروع کر دی جو قرآن کی معنوی تحریف کی حد تک پہنچ گئے، اور جو تیرہ سو سال کے عرصے میں قرآن وآیات قرآنی اس تحریف معنوی کا جواز پیدا کرتے ہوئے سر سید احمد خان صاحب نے لکھا:۔ ان کے قدیم علمائے اسلام زمانے میں نیچرل سینز نے ترقی نہیں کی تھی، اور کوئی چیز ان کو قانون فطرت کی طرف رجوع کرنے والی اور ان کی غلطیوں سے متنبہ کرنے والی نہ تھی، پس یہ اسباب اور مثل ان کے اور بہت سے اسباب ایسے تھے کہ ان کی کافی توجہ قرآن کریم کے ان الفاظ کی طرف نہیں ہوئی، مثلاً۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں نص صریح اس بات پر نہیں ہے کہ درحقیقت ان کو آگ میں ڈال دیا گیا تھا مگر انھوں نے اس بات پر خیال نہیں کیا۔

حالانکہ احادیث مبارکہ وروایات سے قطع نظر، خود قرآن کریم کے الفاظ اس واقعہ سے متعلق یہ ہیں:

{قالوا حرقوه وانصروا الهتكم ان كنتم فعلين (٦٨) قلنا ينار كوني بردو سلما على ابراهيم (٦٩)}

ترجمہ: ان سب (کافروں) نے کہا کہ اس (ابراہیم) کو جلا ڈالو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو اگر تم کرنا چاہتے ہو، ہم نے حکم دیا اے آگ! تو ابراہیم کے حق میں سرد اور سلامتی بن جا، اور انہوں نے ابراہیم کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا، پس ہم نے ان کو ان کے ارادہ میں نا کام بنا دیا۔

{قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَأَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ فَأَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْأَسْفَلِيْنَ ٥ (٥٧٥٨)}

ترجمہ: انہوں نے کہا اس کے لیے ایک عمارت بناؤ اور اس کو دہکتی آگ میں ڈال دو، پس انھوں نے اس کے ساتھ ارادہ بد کیا تو ہم نے ان کو پست اور ذلیل کر دیا۔

ان واضح اور صریح الفاظ پر تحریف وتاویل کی مشق ستم صرف اس بناء پر کی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے زندہ سلامت نکل آنے کا یہ واقعہ مغرب کے رائج الوقت نیچرل سینس کے خلاف تھا، چنانچہ سر سید احمد خان صاحب اور ان کے ہمنوا دوسرے تجدد پسندوں نے مغرب کی اس نیچرل سینس کی خاطر نہ صرف تفسیر قرآن کے تمام اصولوں کو پامال کیا اور قرآن کریم کے الفاظ میں کھینچ تان شروع کی، بلکہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے معاد جسمانی جیسے عقائد پر بھی خط نسخ پھیر دیا، ملٰئکہ، شیاطین اور جنات کو بھی توہم پرستی قرار دیا، انبیا علیہ السلام کے تمام معجزات کو ''مافوق الفطرت'' کہہ کر ان کے منکر ہو گئے، اور اس غرض کے لئے پورے قرآن کو شاعرانہ تمثیلات کا مجموعہ بنا کر رکھ دیا، ایسے لوگوں کو تفسیریں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے قرآن کریم نے انبیاء علیہ السلام کے تمام واقعات اپنے سیدھے سادے اسلوب کے بجائے تمثیلات کے معموں میں بیان کئے ہیں جن کا انکشاف تیرہ سو سال بعد پہلی بار ان فدایان مغرب پر ہوا

ہے، قرآن کریم کے واضح اور صریح لفظ کو من مانے مجازی معنی پہنا دینا ان حضرات کا ایک معمولی کھیل ہے، جس کی بے شمار مثالیں ان کی تفسیروں میں ملتی ہیں، اور اس تمام کدو کاوش کا منشاء سرسید احمد خان صاحب کے الفاظ میں یہ ہے، کہ جب معجزات کو مافوق الفطرت قرار دیا جائے جس کو انگریزی میں سپر نیچر کہتے ہیں اور اس سے انکار کرتے ہیں اور ان کا وقوع ایسا ہی ناممکن قرار دیتے ہیں جیسے کہ قولی وعدے کا ایفاء نہ ہونا، اور علانیہ کہتے ہیں کہ کسی ایسی امر کے واقع ہونے کا ثبوت نہیں ہے جو مافوق الفطرت ہو اور جس کو تم معجزات قرار دیتے ہو اور اگر بفرض محال خدا کی قدرت کے حوالے پر اس کو تسلیم بھی کریں تو وہ ایک بے فائدہ امر ہوگا۔

اس کے برخلاف علمائے اسلام کا موقف یہ تھا کہ معجزات کا وقوع عقلی طور پر محال نہیں ہے، ہاں یہ واقعات خلاف عادت ضرور ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی پیغمبر کی حقانیت ہر عامی اور ان پڑھ کے سامنے واشگاف کرنا چاہتا ہے تو ان کے ہاتھ پر ایسے حیرت انگیز خلاف عادت کام ظاہر کر دیتا ہے جنہیں دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھ جائے کہ اللہ کے اس پیغمبر کو تائید خداوندی حاصل ہے، مگر چونکہ مغرب میں نیچرل سینس کا سکہ چلا ہوا تھا، اس لئے سرسید صاحب وغیرہ یہ بات کہتے ہوئے شرماتے تھے۔ (علوم القرآن شیخ الاسلام محمد تقی عثمانی ص ۳۷۸، ۳۷۹۔)

[۲]۔۔۔ممتاز نومسلم محمد اسد (۱۹۹۲ متوفی) کا ترجمہ ۱۹۸۰ میں منظر عام پر آیا کہ اس سے قبل اسلامیات کے میدان میں وہ اپنی وقیع تصانیف کے حوالے سے اپنے علم وفضل کے لئے معروف تھے، وہ اصلا پولینڈ کے باشندے اور یہودی دینی خانوادے کے چشم وچراغ تھے۔ مختصرا وہ ابراہیم علیہ السلام کے دخول نار، عیسیٰ علیہ السلام کے عہد طفلی میں کلام جن کا وجود اللہ کے استواء علی العرش اور دیگر معجزات اور امور غیب کے قائل نہیں۔ مختلف مسلم فضلاء نے اس کے تسامحات پر گرفت کی ہے۔ (مستشرقین اور انگریزی تراجم القرآن ص ۴۲)

فائدہ: اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ جس شکل سے جو چیز چاہیں بنا دیں یا بلا شکل کے محض اپنی قدرت اور

حکم سے چیزیں بنادیں، اسی طرح وہ قادر ہیں کہ جس چیز سے جو اثر ظاہر کردیں۔ پانی سے چاہیں تو ڈوبادیں اور چاہیں تو تیرادیں۔ آگ سے چاہیں تو جلادیں اور چاہیں تو نہ جلائیں۔ غذا سے چاہیں تو پیٹ بھردیں اور چاہیں تو نہ بھریں، موت کی جگہ سے چاہیں تو زندگی نکال دیں اور زندگی کی جگہ سے چاہیں تو موت نکال دیں۔

نارابراہیمؑ میں پھونک مارنے والی چھپکلی

امدادالمفتیین میں ہے، حدیث (اقتلوا الوزغة ولو في جوف الكعبة) (المعجم الاوسط رقم الحديث ۶۳۰۱)

{ان النبي ﷺ امر بقتل الوزغة وسماه فويسقا وقال كان ينفخ النار على ابراهيم عليه السلام}

آپ ﷺ نے حکم کیا ہے کہ چھپکلی قتل کرو اور اس کو فاسقہ فرمایا اور آپ نے فرمایا کہ وہ ابراہیم ﷺ کی آگ میں پھونک مارتا تھا۔ (وہ پھونک مارکر بڑھانا چاہتا تھا) حدیث سے قتل وزغہ ثابت ہے، اگر چہ روایت }وَلَو فِي جوف الكعبة{ ضعیف ہے۔ ہاں وزغہ ایک عام لفظ ہے جو گرگٹ کو بھی شامل ہے اور چھپکلی کو بھی۔ (امدادالمفتیین ص ۲۰۶ بتصرف)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کو جلایا

سامری کی سزا میں ایک لطیفہ: روح المعانی میں بحوالہ بحر محیط نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے قتل کردینے کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ نے اس کی سخاوت اور لوگوں کی خدمت کرنے کی وجہ سے قتل کی سزا سے منع فرمادیا۔ (بیان القرآن)

لنحرقنه: (یعنی ہم اس کو آگ میں جلادیں گے) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بچھڑا سونے چاندی کے زیورات سے گھڑا ہوا تھا تو اس کے آگ میں جلانے کی کیا صورت ہوگی؟ سونا چاندی

پگھلنے والی چیز ہے جلنے والی نہیں۔

جواب یہ ہے کہ اول تو خود اس میں اختلاف ہے کہ بچھڑے میں آثارِ حیات پیدا ہونے کے بعد بھی وہ چاندی سونے ہی کا رہا یا اس کی حقیقت تبدیل ہوکر گوشت اور خون بن گیا۔ اگر وہ گوشت اور لحم ودم بن گیا تھا تو ظاہر ہے کہ اس کو جلانے کا مطلب یہ ہوگا کہ ذبح کرکے جلا دیا جاویگا اور اگر دوسرا قول لیا جاوے تو اس کے جلانے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کو سوہان سے ریت کر ذرہ ذرہ کر دیا جاویگا (کمافی الدر المنثور) یا کسی حیلہ اکسیر یہ سے جلا دیا جاویگا (کمافی روح المعانی) اور یہ بھی کوئی امر مستبعد نہیں کہ احراق اور جلانا بطور خرق عادت و معجزہ ہو، واللہ اعلم (بیان القرآن) (معارف القرآن 6/145)

مجسمے کے ساتھ سلوک

ادھر بچھڑے کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا {وانظر الی الٰھک الذی ظلت علیہ عاکفا} ذرا اس معبود کی طرف تو دیکھو جس پر تم جھکے پڑے تھے، اس کو معبود مان کر اس کے سامنے سجدہ اور رقص کرتے تھے۔ دیکھو! ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

فرمایا {لنحرقنہ} ہم اسے جلا ڈالیں گے۔ {ثم لننسفنہ فی الیم نسفا} پھر ہم اس کی راکھ کو سمندر میں اڑا دیں گے یعنی بکھر دیں گے۔ پھر اس مجسمے کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ اس کو آگ میں جلا کر راکھ بنا دیا گیا۔

اور پھر اس راکھ کو دریا میں بہا دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ اس بچھڑے کے متعلق مفسرین کی دو رائیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سامری کے مٹی ڈالنے سے یہ گوشت پوست کا بنا ہوا سچ مچ کا بچھڑا بن گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ مجسمہ ہی تھا مگر اس سے بچھڑے جیسی آواز آتی تھی۔ اگر وہ گوشت پوست کا بچھڑا بن گیا ہو تو اس کا جلانا آسان تھا کہ ایسے واقعات دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں اور اگر وہ طلائی بچھڑا ہی تھا تو اس کا برادہ بنا کر جلا دیا گیا ہوگا۔ اگرچہ اس پر

زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے، بہر حال اسے جلا کر راکھ کر دیا گیا۔

قرآن پاک کے ان الفاظ سے ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس سونے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ نہ تو دوبارہ زیورات میں تبدیل کیا، نہ اس کے سکے بنا کر تقسیم کیے اور نہ کسی دوسری صورت میں اس سے استفادہ کیا۔ بلکہ اسے جلا کر ضائع کر دیا، حالانکہ حضور صلی اللہ وسلم نے } نہی عن اضاعۃ المال { مال کو یوں ہی ضائع کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ محققین اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جس مال کے ضیاع میں شعارِ کفر و شرک کی تذلیل پائی، وہ مال حقیقت میں ضائع نہیں ہوتا۔ چونکہ یہاں پر شرک کے شعار کی تذلیل مقصود تھی انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ لہذا اس کی تذلیل و تحقیر کر کے اسے ضائع کر دینا اس کے دنیوی طور پر مستفید ہونے سے بہتر تھا۔ چنانچہ اگر کسی قیمتی بت کو بھی توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا جائے تو یہ درست ہے۔ اس طرح کوئی تصویر خواہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہے اسے پھاڑ کر ضائع کر دینا چاہیے اسی طرح کپڑے وغیرہ کی بنائی ہوئی گڑیوں کا بھی یہی حکم ہے کہ انہیں جلا کر راکھ کر دو۔ اس طرح کا ضیاع جائز ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تمام بت پاش پاش کر دئے۔ آپ نے ان کے پیتل تانبے یا سونے چاندی کا کوئی دوسرا مصرف نہیں نکالا بلکہ سب کو توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا۔ رافضیوں کے بنائے ہوئے تعزیے اور ذوالجناح بھی اسی تعریف میں آتے ہیں اور ضائع کرنے کے قابل ہیں خواہ ان پر کتنی بڑی رقم ہی کیوں نہ صرف ہوئی ہو اور ان کی بعض چیزیں قابل استعمال ہی کیوں نہ ہوں۔ (معالم العرفان۔ ج ۱۳ ص ۱۶۵)

حضرت شعیب علیہ السلام
کی قوم پر آگ کے ذریعہ عمومی عذاب

حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں قرآن کریم نے کہیں ان کا اہل مدین اور اصحاب مدین کے نام سے ذکر کیا ہے اور کہیں اصحاب ایکہ کے نام سے۔ ایکہ کے معنی جنگل

اور بن کے ہیں۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں قومیں الگ الگ تھی دونوں کی بستیاں بھی الگ تھیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام ان میں سے پہلے ایک قوم کی طرف گئے ان کی ہلاکت کے بعد دوسرے قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔ دونوں قوموں پر جو عذاب آیا اس کے الفاظ بھی مختلف ہیں اصحاب مدین پر کہیں صیحہ اور کہیں رجفہ مذکور ہے اور اصحاب ایکہ پر بھی عذاب ظلہ ذکر کیا گیا ہے۔ صیحہ کے معنی چنگھار اور سخت آواز کے اور رجفہ کے معنی زلزلہ ہیں اور ظلہ سائبان کو کہا جاتا ہے۔ اصحاب ایکہ پر عذاب کی یہ صورت ہوئی کہ اول چندروز ان کی پوری بستی میں سخت گرمی پڑی جس سے ساری قوم بلبلا اٹھی۔ پھر ان کے قریب جنگل پر ایک گہرا بادل آیا جس سے اس جنگل میں سایہ ہو گیا اور ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگی۔ یہ دیکھ کر سارے بستی کے آدمی اس بادل کے سایہ میں جمع ہو گئے۔ اس طرح یہ خدائی مجرم بغیر کسی وارنٹ اور سپاہی کے اپنے پاوں چل کر اپنی ہلاکت کی جگہ پہنچ گئے۔ جب سب جمع ہو گئے تو بادل سے آگ برسی اور زمین میں بھی زلزلہ آیا جس سے یہ سب ہلاک ہو گئے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم کا نام ہے اور عذاب کی جو تین قسمیں ابھی ذکر کی گئی۔ اس تینوں قوموں پر جمع ہو گئیں۔ پہلے بادل سے آگ برسی پھر اس کے ساتھ سخت آواز چنگھاڑ کی شکل میں آئی پھر امین میں زلزلہ آیا ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اختیار کیا۔

بہر حال یہ دونوں قومیں الگ الگ ہو یا ایک ہی قوم کے دو نام ہو۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جو پیغام حق ان کو دیا وہ پہلی یا دوسری آیات میں مذکور ہیں۔ اس پیغام کی تفسیر سے پہلے سمجھ لیں کہ اسلام جو تمام انبیاء علیہ السلام کی مشترک دعوت ہیں۔ اس کا خلاصہ ادائے حقوق ہیں۔ پھر حقوق دو قسم کے ہیں ایک براہ راست اللہ تعالٰی کا حق جس کے کرنے یا چھوڑنے سے انسانوں کا کوئی معتد بہ نفع نقصان متعلق نہیں جیسے عبادات نماز روزہ وغیرہ۔ دوسرے حقوق العباد انسانوں سے

ہے۔ اور یہ قوم ان دونوں حقوق سے بیخبر اور دونوں کے خلاف کام کر رہی تھی۔تفسیر معارف القرآن اعراف ۵۸

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں آیتوں میں تطبیق کے لئے فرمایا کہ شعیب علیہ السلام کی قوم پر اول تو ایسی سخت گرمی مسلط ہوئی جیسے جہنم کا دروازہ ان کی طرف کھول دیا گیا ہو۔جس سے ان کا دم گھٹنے لگا کسی سایہ میں چین آتا تھا نہ پانی میں۔یہ لوگ گرمی سے گھبرا کر! تہ خانوں میں گھس گئے تو وہاں اُوپر سے بھی زیادہ سخت گرمی پائی۔پریشان ہو کر شہر سے جنگل کی طرف بھاگے۔وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی۔یہ سب لوگ گرمی سے بدحواس تھے دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔اس وقت یہ سارا بادل آگ ہو کر ان پر برسا اور زلزلہ بھی آیا جس سے یہ سب لوگ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے۔اس طرح اس قوم پر زلزلہ اور عذاب ظلہ دونوں جمع ہو گئے (بحر محیط) اور بعض مفسرین نے فرمایا یہ بھی ممکن ہے کہ قوم شعیب علیہ السلام کے مختلف حصے ہو کر بعض پر زلزلہ آیا اور بعض عذاب ظلہ سے ہلاک کئے گئے ہوں۔معارف القرآن اعراف ۹۱

پاکدامنی کی خاطر اپنی ساری انگلیاں جلا ڈالیں

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار آدمی تھا جو اپنی عبادت گاہ میں ہمہ وقت عبادت کیا کرتا تھا،چناں چہ ایک شخص ایک فاحشہ عورت کے پاس گیا اور اسے بہت سی رقم دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ یہ اس عابد کو اپنے جال میں پھنسائے،لہذا یہ عورت ایک بارش کی رات میں اس عابد کے پاس گئی اور اسے آواز دی،اس نے باہر جھانکا تو بولی مجھے اپنے پاس ٹھکانا دے عابد اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور نماز میں مشغول ہو گیا،وہ پھر بولی اے اللہ کے بندہ مجھے اپنے پاس ٹھکانہ دیدے،کیا تُو رات کی تاریکی اور بارش کو نہیں دیکھ رہا ہے؟ وہ اصرار کرتی رہی یہاں تک کہ عابد نے اسے اپنے پاس ٹھہرالیا،یہ اس کے پاس لیٹ گئی،اسے

اپنا محاسن وناز وانداز دکھانے لگی اور اسے بدکاری کی دعوت دینے لگی، اس عابد کا نفس بھی اس کی طرف مائل ہونے لگا تو اس عابد نے اپنے نفس سے کہا:

ترجمہ: خدا کی قسم جب تک میں آگ پر تیرا صبر نہ دیکھ لوں کبھی یہ کام نہیں کرونگا، لہذا وہ عابد چراغ کے پاس گیا اور اپنی انگلی اس پر رکھی تو وہ جل گئی، وہ دوبارہ نماز میں مشغول ہوگیا، دل میں پھر خواہش پیدا ہوئی وہ دوبارہ چراغ کے پاس گیا، اور دوسری انگلی بھی جلادی، حتی کہ مسلسل جب بھی دل میں وسوسہ آتا یہ اپنی انگلیاں جلاتا رہا، یہاں تک کہ اس نے اپنی ساری انگلیاں جلاڈالیں وہ عورت یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی حتی کہ اس نے چیخ ماری اور مرگئی۔ (سلف صالحین کے ایمان افروز واقعات ص ۱۵۵۔ مولانا نعمان صاحب)

بنی اسرائیل کے ایک شخص کی خود کو جلانے کی وصیت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایک شخص تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس پر زیادتی کی تھی یعنی بہت ہی زیادہ گناہ کئے تھے، جب اس کی موت کا وقت قریب آئی تو اُس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب وہ (یعنی خود مرجائے تو اُس کو یعنی مجھے) جلاکر آدھی راکھ تو جنگل میں اُڑادینا، اور آدھی راکھ دریا میں بہادینا کیونکہ قسم ہے اُس خدا کی! اگر اللہ تعالیٰ نے اُس کا مواخذہ کرلیا اور حساب میں سختی کی تو وہ اُس کو ایسا عذاب دے گا کہ آج تک عالم کے لوگوں میں سے کسی کو نہ دیا ہوگا چنانچہ جب وہ شخص مرگیا تو اُس کے بیٹوں نے اُس کے وصیت کے مطابق عمل کیا (کہ اُس کو جلاکر آدھی راکھ تو جنگل میں اُڑادی اور آدھی کو دریا میں بہادیا) اللہ تعالیٰ نے دریا کو، (اُس کی راکھ جمع کرنے کا حکم دیا) اور اُس نے وہ راکھ جو اُس کے اندر تھی جمع کی اور جنگل کو حکم دیا اور اُس نے بھی جو راکھ اُس کے اندر تھی جمع کی) جب دریا اور جنگل نے اُس کے اجزاء جمع کرلئے تو اُس شخص کو اُن اجزاء سے استوار کرکے حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا، حق تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے

ایسا کیوں کیا؟ اُس نے جواب دیا کہ ''پروردگار! تیرے خوف سے اللہ تعالی تو حقیقت حال خوب جانتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے یہ سن کر اُسے بخش دیا۔(بخاری شریف حدیث نمبر ۳۴۵۲)

نوٹ: اولاد کیلئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اپنے باپ کی بات مانتے کیونکہ خالق کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہوتی۔{لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق}اسی طرح نا جائز وصیت پوری کرنا بھی جائز نہیں جیسے کسی نا جائز کام میں مال خرچ کرنے کی وصیت کی ہو مثلاً تیجہ (سوم) کرنے، قبر پکی بنانے کی یا اس پر گنبد بنانے کی وصیت کی ہو، اسی طرح کسی وارث کو محروم کرنے کی یا سینما ہال بنانے کی وصیت کی تو ایسی وصیتیں والا سخت گنہگار ہے اور ان وصیتوں پر عمل کرنا بھی جائز نہیں۔(احکام میت ص ۲۸۸)

فصل دوم

امت محمدیہ ﷺ میں آگ سے متعلق واقعات ومسائل

(ا)۔واقعات

(ا) نبی ﷺ کے متعلقات پر آگ کے اثر نہ کرنے کے چند واقعات

(ا)۔آپ ﷺ کے موئے مبارک پر آگ کا اثر نہ کرنا:

نسیم الریاض میں لکھا ہے کہ عدیم ابن ظاہری علوی کے پاس آنحضور ﷺ کے موئے مبارک تھے جن کی تعداد چودہ تھی انہوں نے حلب کے امیر کے پاس جو علویوں سے محبت رکھتا تھا، ان بالوں کو بطور ہدیہ پیش کیا، امیر حلب نے ان بالوں کو بڑی عزت وتکریم سے قبول کیا اور علوی کی بھی معقول خدمت کی، ایک مدت کے بعد وہ علوی جب امیر کے پاس گیا تو امیر حلب نے اس علوی سے رخ دے کر بات نہ کی اور چیں بہ جبیں ہوا علوی نے غصہ کا سبب پوچھا تو امیر نے بتایا کہ میں نے سنا ہے جو بال تم لائے ہو وہ آنحضور ﷺ کی جانب غلط طور پر منسوب کیے گئے ہیں، علوی نے کہا کہ ان کو منگوایے، چنانچہ وہ بال لائے گئے اور آگ جلائی گئی، آگ میں بال ڈال دیے گئے لیکن بجائے جلنے کے اور بھی اچھے ہو گئے یہ دیکھ کر امیر نے اپنی رائے بدلی اور علوی کی پہلے سے زیادہ تعظیم کی اور نذر پیش کی یہ آنحضور ﷺ کا معجزہ تھا کہ آگ نے بال پر اثر نہ کیا۔(انوار اسلام ص ۱۸۲۳)

(۲) آپ ﷺ کے استعمال شدہ تولیہ پر آگ کا اثر نہ کرنا:

مثنوی مولانا روم میں مذکور ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ کے پاس ایک شخص مہمان ہوا اس

مہمان نے یہ واقعہ بیان کیا کہ اس کھانے کے بعد انس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ دستر خوان پر شوربے اور چکنائی وغیرہ کے دھبے لگے ہوئے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خادمہ کو بلا کر کہا کہ اس دستر خوان کو تھوڑی دیر کے لیے دہکتے ہوئے تنور میں ڈالدو، خادمہ نے ایسا ہی کیا اس وقت تمام مہمان اس دستر خوان کے جلنے اور چکنائی کی چراندے کا انتظار کرنے لگے، لیکن یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ یہ کپڑا جلنے کے بجائے بالکل بے داغ ہوگیا اور خادمہ نے صاف ستھرا اور اُجلا دستر خوان تنور میں سے نکال لیا، جیسے بھٹی چڑھا ہوا کپڑا لوگوں نے حیران ہو کر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے کہ کپڑا آگ میں نہ جل سکا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حقیقت حال بتائی اور لوگوں کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ کھانا تناول فرما کر اسی دستر خوان سے اپنا روئے مبارک پونچھا کرتے تھے جس کا اثر یہ ہوا کہ یہ کپڑا آگ کی گزند اور جلنے سے محفوظ رہتا ہے۔ (انوار اسلام ص ۱۸۲۴)

(۲) بعض متعلقات نبوی ﷺ کا آگ سے متاثر ہونا

(ا)۔ ممبر نبوی ﷺ کا تاریخی پس منظر اور اس کے جل جانے کا واقعہ

۸ ھ ہجری میں منبر بنایا گیا، منبر بنانے کا قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں ایک انصاریہ تھیں جن کا غلام نجار (بڑھی) تھا، ان کے پاس حضور ﷺ کا ارشاد پہنچا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے غلام سے میرے لیے ایک منبر بنوادیں حسب الارشاد انہوں نے ایک منبر گزلکڑی سے جس میں تین سیڑھیاں تھیں بنوا کر مسجد شریف میں بھیج دیا، جس مقام پر اب منبر ہے وہیں وہ منبر رکھ دیا گیا، جب آپ ﷺ اس منبر پر خطبہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے وہ ستون جس سے آپ ﷺ سہارا لگاتے تھے آپ ﷺ کے فراق کی صحبت سے فریاد کرنے لگا اور ایسی آواز سے رویا کہ جیسے اونٹنی روتی ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جیسے روتا ہوا لڑکا چپ کیا جائے، تمام صحابہ اس کے حال سے رونے لگے، آپ ﷺ منبر سے اتر پڑے اور اس ستون کو اپنے سینے سے لگالیا، یہاں تک کہ اس کا رونا بند ہوگیا۔ (فتاوی دار العلوم زکریا) میں ہے کہ کھجور کے تن کے بارے میں مختلف روایات واقوال ملتے ہیں، بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو دفن کیا گیا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مسجد

نبوی کی چھت کے لئے بطور ستون استعمال کیا گیا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے منہدم ہونے کے بعد حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ اس کو گھر لے گئے اور ان کے یہاں پڑا رہا یہاں تک کہ دیمکوں نے اس کو کھالیا اور پھر وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ (فتاوی دارالعلوم زکریا ج ۱ ص ۳۱۹)

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مقدس منبر کو اپنے زمانہ خلافت میں ملک شام لے جانا چاہا مگر جیسے ہی وہ منبر اپنی جگہ سے اُٹھا گیا، آفتاب میں سخت گرہن پڑ گیا کہ ستارے نظر آنے لگے اور اس حالت کو دیکھ کر وہ اپنے ارادہ سے باز رہے۔ ۶۵۴ھ میں جب مسجد شریف میں آگ لگی وہ منبر بھی جل گیا تھا۔ (حاشیہ علم الفقہ ص ۳۰۰)

تاریخ مدینہ منورہ میں ہے کہ ۶۵۴ھ میں مسجد نبوی میں آگ لگ گئی اور منبر جل گیا تو اس کی جگہ یمن کے بادشاہ ملک مظفر کا بنا ہوا منبر رکھا گیا۔ منبر کی تبدیلی کئی دفعہ ہوئی۔ (تاریخ مدینہ منورہ ص ۸۴، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری۔)

(۲)۔آپ ﷺ کا، گرمی، سردی اور آگ کی تپش سے متاثر ہونا

نبی کریم ﷺ گرمی، سردی اور آگ کی تپش سے متاثر ہوتے تھے چنانچہ مواہب میں علامہ زرکشیؒ نے لکھا ہے:

"انه کان معتدل الحرارة والبرودة فلا کیس بالحر والبرد"

اور مسند احمد میں ہے کہ:

"انه علیه السلام وضع یده فی طعام حار فاحترقت اصابعه الشریفه فقال حَسِ)التراتیب الاداریه، ۱ ۳۸)

ترجمہ: حضور ﷺ نے گرم کھانے میں ہاتھ ڈال دیا تو آپ کی مبارک انگلیاں جل گئیں آپ نے فرمایا: حَسِ،، (اُف تکلیف کے وقت بولا جانے والا کلمہ)

(۲) صحابہ کرامؓ کے متعلق آگ سے جلنے یا جلانے کے واقعات

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک کتاب کو آگ میں ڈالنا

نبی علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی وہ تورات سے نقل کیا گیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تعجب میں ڈالا نبی علیہ السلام کے چہرہ انور پر خفگی کے آثار نمودار ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو آگ میں ڈالا۔ (موسوعۃ فقہ مصر ۶۴)

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر لائبریری جلانے کا اعتراض اور اسکا جواب

سکندر اعظم کے بعد بطلیموس ثانی مصر کے علاقے کا حکمران بنا، اس کا زمانہ تیسری صدی ق م ہے۔ وہ ذاتی طور پر علم کا قدردان تھا۔ اس نے سکندریہ میں ایک کتب خانہ بنایا جس میں مختلف علوم کی تقریبا ۵ لاکھ کتابیں تھیں۔ یہی وہ کتب خانہ تاریخ میں کتب خانہ سکندریہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ کتب خانہ بعد میں (اسلامی دور سے پہلے) تباہ کر دیا گیا۔ اس کتب خانہ کے بارے میں غلط طور پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کو جلایا گیا۔ حالانکہ ظہور اسلام سے بہت پہلے چوتھی صدی میں اس کا وجود ختم ہو چکا تھا۔

انسائیکو پیڈیا ٹانیکا (۱۹۸۴) نے لکھا ہے کہ وہ رومی حکومت کے تحت تیسری صدی عیسوی تک موجود تھا۔ اس کے بعد وہ باقی نہ رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتب خانہ کا نصف حصہ جولیس سیزر نے ۷ ق م میں جلایا۔ تیسری صدی عیسوی میں مسیحوں کو اس علاقہ میں غلبہ حاصل ہوا۔ اس دوران غالبا ۳۹۱ء میں مسیحوں نے اس کو جلا کر آخری طور پر اسے ختم کیا۔

دو جگہ اس میں واضح اعتراف کے باوجود اسی انسائیکو پیڈیا میں تیسرے مقام پر غیر ضروری طور پر کتب کی بربادی کو مسلم عہد کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ سنسر شپ کے مقالہ کے تحت درج ہے کہ

اس بات کے مختلف ثبوت موجود ہیں کہ اسکندریہ کا کتب خانہ مختلف مرحلوں میں جلایا گیا۔ ۴۷ ق م میں جولیس سیزر کے ذریعہ ۳۹۱ء ۶۴۲ء میں مسلمانوں کے ذریعہ۔ بعد کے دونوں موقع پر یہ کہا گیا کہ ان کتابوں سے مسیحیت یا قرآن کو خطرہ ہے۔

معلوم نہیں یہاں مقالہ نگار نے مسلمانوں کو اس واقعہ کا ذمہ دار کیوں ٹھہرادیا حالانکہ خود برٹانیکہ کے مذکورہ بالہ دو اقتباسات اس کی واضح تردید کررہے ہیں۔ اسلام اپنی فطرت کے اعتبار سے علم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، اسی نے پہلی دفعہ تحقیق کی آزادی کا ماحول دیا، جس کی وجہ سے وہ سب کام جن پر سقراط، ارشمیدس وغیرہ کو موت دی گئی مسلمانوں نے آزادی سے کئے اور ہر شعبے میں مسلمانوں نے سائنس کو ترقی دی۔

ڈاکٹر فلپ ہٹی اپنی کتاب ہسٹری آف دی عربس میں لکھتے ہیں کہ یہ کہانی کہ کتب خانہ اسکندریہ خلیفہ عمر کے حکم سے برباد کیا گیا اور شہر کے لاتعداد حماموں کی بھٹیاں ۶ ماہ تک کتب خانہ کی کتابوں کو جلا کر گرم کی جاتی رہیں، ان فرضی قصوں میں سے ہے جو اچھی کہانی مگر بری تاریخ بناتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بطلیموس کا عظیم کتب خانہ اسلام سے بہت پہلے ۴۸ ق م میں جولیس سیزر کے ذریعے جلایا جاچکا تھا۔ ایک اور کتب خانہ جو مذکورہ کتب خانے کا ذیلی کتب کے حکم سے ۳۸۹ء میں جلایا گیا۔ اس لیئے عرب فتح کے وقت کوئی خانہ تھا وہ تھیوڈوسیس قابل ذکر کتب خانہ اسکندریہ میں موجود نہ تھا۔ عبد الطیف البغدادی جس کی وفات ۱۲۳۱ء میں ہوئی، بظاہر پہلا شخص ہے جس نے بعد کے زمانے میں اس فرضی قصہ کو بیان کیا، اس نے کیوں ایسا کیا، اس کا ثبوت کیا تھا، ہم نہیں جانتے۔ تاہم اس کا بیان بعد میں نقل گیا گیا اور بعد کے مصنفوں نے اس کو چڑھا کے پھیلایا۔

بیت سے عیسائی مصنفین نے اس ایک غیر مستند روایت کی بنیاد پر مسلمانوں پر علم دشمنی کا الزام لگایا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کام وہی کتب خانوں کے ساتھ شروع سے کرتے آرہے ہیں، اس

کتب خانے کے علاوہ بھی جب بھی انہیں اقتدار ملا انہوں نے مسلمانوں کے کئی عظیم کتب خانے جلائے، تاریخ اسلام کے تلخ حقائق میں سے ایک دردناک حقیقت عیسائیوں کے ہاتھ کتب خانوں کا بذر آتش ہونا بھی ہے جس کے باعث میراث اسلامی اور علوم شریعت کا کثیر حصہ دنیا سے مفقود ہوگیا۔

۵۰۳ھ میں طرابلس (لیبیا) پر عیسائیوں نے قبضہ کیا تو وہاں کے کتب خانوں کو جلا دیا۔ صلیبی جنگوں کے دوران عیسائیوں نے مصر، شام، سپین اور دیگر اسلامی ممالک کے کتب خانوں کو بری طرح جلا کر تباہ و برباد کر دیا۔ ان کتب کی تعداد تیس لاکھ سے زائد تھی۔ سپین میں عیسائی غلبہ کے بعد وہاں کے کتب خانے جلا دئے گئے قاضی بن عمار نے طرابلس میں عالی شان کتب خانے کی تاسیس کی جس میں ایک لاکھ سے زائد کتابیں تھی۔ یہ کتب خانہ صلیبی جنگوں کے دوران برباد کر دیا گیا۔ مزید تفصیل کے لئے مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ کا رسالہ ملاحظہ کیجئے۔

(۳) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے غسانی بادشاہ کا خط تنور میں جلا ڈالا

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (غزوہ تبوک کا واقعہ جب پیش آیا) فرماتے ہیں کہ اسی دوران ایک دن میں مدینہ منورہ کے بازار میں جا رہا تھا، کہ اچانک ملکِ شام کا ایک نبطی شخص جو غلہ فروخت کرنے کے لیے شام سے مدینہ آیا اور مجھے شاہ غسان کا ریشمی رومال پر لکھا ہوا ایک خط دیا جس میں تھا:

”اما بعد، فانه قد بلغني ان صاحبك قد جفاك، و لم يجعلك الله بدار هوان و لا مضيعة، فالحق بنا نواسك“

امابعد: مجھے یہ اطلاع ملی ہے، کہ تمہارے صاحب نے تم پر جفا کی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں ذلت اور ہلاکت کی جگہ میں نہ رکھے، یا اللہ تعالیٰ نے تمہیں نہ ذلیل بنایا ہے نہ بیکار یعنی تم کام کے آدمی ہو، تم ہمارے پاس آجاؤ ہم

تمہارے ساتھ ہمدردی کریں گے۔

میں نے جب خط پڑھا تو کہا کہ یہ ایک آزمائش آئی، پھر میں نے اس خط کو تنور میں جلا دیا، اسی طرح آزمائش کے وقت دین پر غیرت کرتے وقت خط، تحفہ پیسے، غیروں کی لیٹریچر جلا دینا چاہئے۔(بخاری شریف حدیث ۴۱۵۶)

(۴) حضرت ذؤیب ؓ کو آگ میں جلانے کا واقعہ

جلیل القدر صحابی حضرت ذؤیب بن کلیب خولانی یمنی رضی اللہ عنہ کو آگ میں ڈالا گیا ہے

"ذؤیب بن کلیب خولانی کان اول من اسلم من الیمن سماہ النبی ﷺ عبداللہ و کان الاسود الکذاب قد القاہ فی النار لتصدیقہ بالنبی ﷺ فلم تضرہ النار ذکر ذلک النبی ﷺ لا صحابہ فھو شبیہ ابراھیم ﷺ" (الاستعاب ۲ ص ۴۶۴)

ترجمہ: یمن میں سب سے پہلے ذؤیب بن کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا نبی علیہ السلام نے ان کا نام عبداللہ رکھا اسود کذاب نے ان کو آگ میں ڈالا کیونکہ انہوں نبی علیہ السلام کی تصدیق کی تھی۔تو آگ نے اس کو کچھ تکلیف نہ دیا، نبی علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو اس کا تذکرہ کیا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا شبیہ ہے۔

یہ روایت محل کلام ہے (فتاوی دارالعلوم زکریا ج ا ص ۱۶۶)

بزار نے اپنے مسند میں عثمان بن حیان سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ام درداء رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، میں نے ایک پسو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا تو انہوں نے کہا میں نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے} **لایعذب بالنار الا ربُ النار**{ آگ

کے ذریعہ عذاب آگ کا رب ہی دے سکتا ہے۔

(۵) نام کی تاثیر میں حضرت عمرؓ کی فراست
کہ تمہارا گھر ''آتش زنی'' سے نہیں بچ سکتا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کا نام پوچھا اس نے کہا: جمرۃ (چنگاری) باپ کا نام پوچھا، تو کہا شہاب (بھڑکتی ہوئی آگ) کہا کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو؟
تو کہا حرقۃ (جلن، سوزش) سے کہا گھر کہا ہے؟ تو کہا: حرۃ النار (آتشین محلہ) پھر پوچھا کہ تمہاری رہائش کہا ہے؟ کہا ذات لظی (آگ سے دہکتی ہوئی جگہ) جب اس شخص کے تمام ناموں میں ''آتشین مادہ'' ہی کارفرما تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرمایا: تمہارا گھر ''آتش زنی'' سے نہیں بچ سکتا ہے۔ چنانچہ نام کا اثر ظاہر ہوا، اور وہ شخص جب گھر لوٹا تو دیکھا کہ واقعتا اس کا گھر جل چکا تھا۔ (موطا امام مالک ۲ ۹۷۷، ۹۷۳: ۲، مصنف عبد الرزاق)

(۵) صحابی محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بچپن میں جلنے کا واقعہ

محمد بن حاطب ایک صحابی ہیں وہ جب بچے تھے تو اپنی ماں کی گود سے گر کر آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے ان کی ماں ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، آپ نے اپنا لعاب دہن ان پر ملا اور دعا پڑھ کر دم کیا۔ ابوداود طیالسی اور مسند امام احمد بن حنبل میں اسی قدر ہے۔ مگر امام بخاری نے تاریخ میں بہ سند بیان کیا ہے، کہ محمد بن حاطب کی ماں کہتی تھی، کہ بچہ کو لے کر میں وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچہ کا زخم چنگا ہو گیا۔ (سیرت النبی ﷺ ج ۳ ص ۳۴۹)
ایک واقعہ: قبیلہ خولان کا ایک شخص اسلام سے مشرف ہو گیا تو اس کی قوم نے اس کو کفر میں داخل کرنا چاہا اور اس پر ظلم ڈھایا حتیٰ کہ اس کو آگ میں ڈال دیا، لیکن اس کے جسم کا فقط وہ حصہ جل سکا جن کو پہلے وضوء کا پانی مس نہ ہوتا تھا، وہ شخص ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے لئے بخشش کی دعا مانگو، اس شخص نے عرض کیا آپ زیادہ حق دار ہیں، تو آپ نے فرمایا تم آگ میں ڈالے گئے تم کو نہ جلا سکی، پھر آپ نے ان کے لئے استغفار کیا۔ پھر وہ شخص وہاں سے چلے آئے اور ملک شام میں سکونت اختیار کر لی، لوگ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دینے لگے۔

(ابن عساکر کنز العمال ج ۲ ص ۲۱۷)

(۳) تابعین کے متعلق جلنے اور جلانے کے بعض واقعات

(۱) شیخ ابن عربی رحمہ اللہ کی کرامت سے آگ کا اثر نہ کرنا

پانچ سو چھتیس ہجری ۵۳۶ھ میں ایک فلسفی شیخ ابن عربی سے ملنے آیا یہ شخص خوارق عادت اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا منکر تھا! اس نے کہا ''لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے مگر جلے نہیں یہ امر محال ہے اور آگ ہر جلنے والی چیز جلا دیتی ہے قرآن میں نار کے ذکر سے مراد نمرود ہے جبکہ حضرت ابراہیم کے نہ جلنے سے مقصد یہ ہے۔ کہ حضرت ابراہیم دلیل و حجت سے اس پر غالب آ گئے تھے، جب فلسفی اپنی بات کہہ چکا تو حاضرین شیخ ابن عربی کی طرف متوجہ ہوئے اتفاق سے جاڑے کا موسم تھا اور مجلس کے وسط میں انگیٹھی جل رہی تھی۔ شیخ نے بڑی متانت سے فلسفی پر نگاہ ڈالی اور فرمایا ''تمہیں قرآن کے اس بیان سے انکار ہے۔ میں تمہیں یہ بات اسی جگہ دکھاتا ہوں جس کا مقصد صرف یہ ہوگا کہ معجزہ کی صحت کا یقین دلایا جائے۔ اتنا کہہ کر شیخ نے دونوں ہاتھوں سے انگیٹھی پکڑ کر اپنے قریب کر لی اور پھر فرمایا: کیا یہ وہی آگ ہے جس کے متعلق تم کہہ رہے ہو کہ جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے؟''

فلسفی بولا: ''ہاں یہ وہی آگ ہے۔'' شیخ نے انگیٹھی اٹھا کر فلسفی کے دامن میں الٹ دی۔ اس نے گھبرا کر کھڑا ہونا چاہا، پھر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ نہ کپڑے جلتے ہیں نہ ہی اس کا بدن حرارت محسوس کرتا ہے، وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سرخ دہکتے ہوئے انگاروں کو تکنے لگا۔ شیخ نے اس کی

کیفیت دیکھی تو زیرلب مسکرائے اور بے تکلفی سے دہکتے ہوئے انگاروں کو الٹنے پلٹنے لگے، اس کے بعد انہیں اٹھا کر فلسفی کے سر اور بدن سے نچھاور کیا جلتے ہوئے انگارے پھر اِدھر اُدھر گر پڑتے تھے

اسباب کا مفہوم

اسباب کی دو قسمیں ہیں

(۱) مافوق الاسباب (۲) ماتحت الاسباب۔

مافوق الاسباب کا مطلب یہ ہے کہ عالم اسباب کی چیزوں سے قطع نظر کر کے اگر کسی کو نفع یا نقصان پہنچے تو وہ صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوگا، مثلاً اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کو زہر دیا یا تلوار یا بندوق سے اسے قتل کر دیا یا دریا میں ڈبو دیا، یا آگ میں جھونکا دیا اور وہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ یہ عالم اسباب کے تحت ہوا، اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانا یا پیاسے کو پانی دے دینا یا بیمار کو دوائی دے دینا اور اس کی بظاہر مایوس کن حالت سنور گئی تو یہی کہا جائے گا کہ سلسلہ اسباب ومسببات کے مطابق ہوا ہے، مگر ان تمام تر چیزوں کی عدم موجودگی میں جب کوئی بظاہر سبب نظر نہ آتا ہو اور ہم دیکھیں کہ کسی کو نفع یا نقصان ہو رہا ہے یا ہم اپنی تدبیر کے موافق منافع اور سودمند چیزیں ہی استعمال اور اختیار کرتے ہیں لیکن وہ تمام ہمارے خلاف واقع ہو تو یہ کہا جائے گا کہ یہاں ایک ایسی زبردست قدرت کا ہاتھ ہے جس کے سامنے کسی کا بس وچارنہیں اور یہ معاملہ مافوق الاسباب ہوگا۔

(۲) ماتحت الاسباب استعانت کا جواز شرعی نصوص سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی زندہ کے پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز کی طلب کرے جو عادتاً اس کے بس اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔(معارف ام القرآن ص ۳۶۳)

(۲) ابومسلم خولانی تابعیؒ کو آگ میں ڈالنے کا واقعہ

کتب حدیث وتاریخ میں ایک دوسرے شخص ابومسلم خولانی رحمہ اللہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ کہ اسود عنسی نے اُن کو آگ میں ڈالا تھا چنانچہ علامہ ابن حبان فرماتے ہیں:

ابو مسلم الخولانی اسمه عبدالله بن ثوب یمانی، تابعی من افاضلهم واخیارهم، وهو الذی قال له العنسی: اتشهدانی رسول الله؟ قال: لا، قال اتشهد ان محمدارسول الله؟ قال: نعم فأمر بنار عظیمة، فأُجِّجَت وخوّفه ان یقذفه فیها ان لم یواته علی مراده، فابی علیه، فقذفه فیها فلم تضره فاستعظم ذالک، وامر باخراجه من الیمن، فاخرج فقصد المدینه، فلقی عمر بن الخطاب، فساله من این اقبل، فاخبره، فقال له: ما فعل فتی الذی احرق؟ فقال: لم یحترق، فتفرس فیه عمر انه هو، فقال: اقسمت علیک بالله، انت ابو مسلم؟ قال: نعم، فاخذه بیده عمر حتی ذهب به الی ابی بکر، فقص علیه القصة، فسر ابذالک، وقال ابو بکر: الحمدلله الذی ارانا فی هذه الامة من احرق فلم یحترق، مثل ابراهیم ﷺ۔ (صحیح ابن حبان: ۲/۲۸۸، رقم ۵۷۷، المکتبه الثریه، وبهامشه قال الشیخ شعیب: هذه الحکایة اوردها ابو نعیم فی الحلیة ۲ ص ۱۲۷: فتاوی دارالعلوم زکریا ج ۱ ص ۱۶۶)

ابومسلم خولانی کا نام عبداللہ بن یوسف یمانی ہے، تابعین میں سے سب سے افضل اور اشرف تھے اور یہ وہی ہے کہ جس کو عنسی (کذاب) نے کہا تھا کہ کیا تو اس بات کی گواہ دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا کہ نہیں! پھر کہا کہ

کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ اُس نے کہا کہ ہاں! تو عنسی نے حکم دیا کہ خوب آگ جلائی جائے، پس آگ دہکائی گئی اور اس کو دھمکایا کہ اگر وہ اُن کی بات نہیں مانے گا تو وہ اس کو آگ میں پھنک دینگے؟ ابو مسلمؒ نے اُن کی بات ماننے سے انکار کر دیا، انہوں اس کو آگ میں پھینک دیا، لیکن آگ نے اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا۔ وہ لوگ اس واقعہ سے حیرت میں پڑ گئے اور اسکو یمن سے نکالنے کا حکم جاری کر دیا۔ پس اُن کو یمن سے نکالا گیا، اُس نے مدینہ منورہ کا رخ کر لیا، مدینہ منورہ جا کر وہ حضرت عمر بن خطابؓ سے ملے۔ انہوں اس سے پوچھا کہ کہا سے آرہے ہو؟ اُس نے کہا کہ یمن سے! حضرت عمرؓ نے پوچھا اُس نوجوان کا کیا ہوا جس کو یمن کے لوگوں نے آگ میں ڈالدیا تھا؟ ابو مسلمؒ نے کہا کہ اُس کو آگ نے نہیں جلایا۔ پھر عمرؓ نے اُسکی شکل صورت میں غور فکر کی اور بھانپ گئے کہ وہ یہی نوجوان ہے۔ عمرؓ نے کہا کہ میں تم پر اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو ہی ابو مسلم ہے؟ اُس نے کہا کہ جی ہاں! میں ہی ہوں! حضرت عمرؓ اُس کا ہاتھ پکڑ ابوبکرؓ کے پاس لیکر آئے اور اُسکا قصہ حضرت ابوبکرؓ کو سنایا اور بہت خوش ہوئے۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ: ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کی اُس ذات کے سزاوار ہیں کہ جس نے ہمیں اُس شخص کا دیدار کرایہ کہ جس کو حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ میں ڈالا گیا اور آگ نے اُس کو نہیں جلایا۔

(۴) تین حج کرنے والے ایک شخص پر آگ کا اثر نہ کرنا

شفاء قاضی عیاض رحمہ اللہ میں قصہ لکھا ہے کہ ایک جماعت سعدون خولانی رحمہ اللہ کے پاس آئی، اور ان سے یہ قصہ بیان کیا کہ قبیلہ کنامہ کے لوگوں نے ایک آدمی قتل کیا اور اس کو آگ میں جلانا چاہا رات بھر اس پر آگ جلاتے رہے مگر آگ نے اس پر ذرا بھی اثر نہ کیا بدن ویسا ہی سفید رہا۔ سعدون رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شاید اس شہید نے تین حج کئے ہوں گے۔ لوگوں نے کہا جی ہا تین

حج کئے ہیں سعدون رحمہ اللہ نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس شخص نے ایک حج کیا ہے اس نے فریضہ ادا کر کیا اور جس نے دوسرا حج کیا اس نے اللہ کو قرض دیا اور جو تین حج کرتا ہے تو اللہ جل شانہ، اس کی کھال کو، اس کے بالوں کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔ (فضائل حج حدیث نمبر ۳ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا رحمہ اللہ بحوالہ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ج ۲ ص ۹۸)

(۴) عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پر آگ کا اثر نہ کرنا

ایک بار ریاست پٹیالہ میں آپ (سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) کی تقریر شروع ہوئی۔ جلسہ میں ہندوؤں اور سکھوں کی بھی کثرت تھی۔ مجمع میں ایک سردار بل بیر سنگھ ایس پی سپرنٹنڈنٹ جو باوردی تھے، شرکت کیلئے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ چلیں ہم بھی دیکھتے ہیں کہ شاہ جی کون ہیں ایسے ہی لوگ شاہ جی شاہ جی کہتے ہیں۔ آج بھرے مجمع میں ایسا سوال کروں گا کہ لوگ شاہ جی کہنا بھول جائیں گے۔ سو اس نے ویسا ہی کیا اور اسٹیج پر چڑھ کر شاہ صاحب سے سوال کیا شاہ جی میں نے سنا ہے کہ آپ سید ہیں؟ شاہ صاحب نے فرمایا: بھائی میں تو سیدوں کی جوتیاں سیدھی کرنے والا ہوں۔ ایس پی سپرنٹنڈنٹ سردار بل بیر سنگھ نے کہا کہ شاہ جی میں نے سنا ہے کہ جو سید ہو اُسے آگ نہیں جلاتی تو مجمع میں شور برپا ہو گیا۔ قاضی احسان احمدؒ بھی شاہ صاحب کے ہمراہ تھے۔ انہوں سردار بل بیر سنگھ سے کہا کہ مجمع میں کرامت دکھانے کی اجازت نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے مولانا احسان احمد صاحبؒ سے کہا کہ مولانا! آپ خاموش رہیں اگر یہ سوال کوئی مسلمان کرتا تو اور بات تھی۔ یہ ایک غیر مسلم نے سوال کیا ہے اور کیا بھی مجھ سے ہے۔ اس کا جواب میں ہی دوں گا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے سردار بل بیر سنگھ سپرنٹنڈنٹ کے آگے اپنے دونوں ہاتھ کر دیے۔ اس نے اپنے ایک محافظ سے کہا کہ آگ لے کر آؤ، وہ آگ لے کر آیا اس نے آگ کے دہکتے انگارے شاہ صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ شاہ صاحب انگارے دونوں ہاتھوں میں لیے کھڑے رہے۔ سارا مجمع حیران رہ گیا اور آپ نے اس وقت تک ہاتھ

نہیں جھاڑے جب سردار بل سنگھ نے نہیں کہا تقریباً پانچ منٹ بعد سردار بیر سنگھ نے کہا کہ اب انگارے پھینک دیں اور مجھے اپنے ہاتھ دکھائیں شاہ صاحب نے دونوں ہاتھ سردار بل سنگھ کے سامنے کردیے۔ وہ ہاتھوں کو چوم کر شاہ صاحب کے گلے لگ گیا اور کہا کہ شاہ جی میرے سینے میں بھی آگ لگی ہوئی ہے۔ خدا کے لئے اسے بھی ٹھنڈا کردیں اور مجھے کلمہ پڑھادیں۔ شاہ صاحب نے اسی وقت اس کو کلمہ پڑھایا اور سردار بل بیر سنگھ اسی وقت مسلمان ہوگیا۔ (ہر واقعہ بے مثال ج ۲ ص ۲۸)

(۲) مسائل

بطور تعزیر کسی چیز کو جلانے کا حکم

(۱) نبی کریم ﷺ نے بطور تعزیر چیزوں کو جلانے کا حکم فرمایا ہے

'الحاوی للفتاوی میں امام سیوطیؒ نے امام ابن فرحونؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :

التعزیرلایختص بفعل معین ولاقول معین فقد عزّررسول الله ﷺ...... الی ان قال وأمروه عبدالله بن عمرو بتحریق الثوبین المعصفرین......وأمره بتحریق متاع الغال۔وبقطع نخل الیهود وتحریقهاومن ذلک أنه ﷺ بلغه أن ناسا من المنافقین یثبطون الناس عنه فی غزوة تبوک فبعث الیهم طللحة فی نفر من أصحابه وأمره أن یحرق علیهم البیت ففعل۔ (الحاوی للفتاوی ج: ۱، ص: ۱۱۹)

کسی جرم پر تعزیر دینا کسی متعین فعل یا قول کیساتھ خاص نہیں ہے پس آپ ﷺ نے تعزیر دی ہے..........آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو زرد رنگ کے کپڑوں کو تعزیرا جلانے کا حکم فرمایا......آپ ﷺ نے مال غنیمت میں

خیانت کرنے والے شخص کے سامان کو بطور تعزیر جلانے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہود کے کھجور کی درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم فرمایا۔ اور انہی میں سے یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک دن آپ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ منافقین میں سے کچھ لوگ غزوہ تبوک میں لوگوں کو آپ ﷺ سے متنفر کرنے لگے ہیں تو آپ ﷺ نے اُنکی طرف حضرت طلحہؓ کی سرکردگی میں صحابہؓ کی ایک جماعت کو روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اُن کے گھروں کو جلا دو پس ایسا ہی کیا گیا۔

فائدہ:

نبی ﷺ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو جو یہ حکم دیا۔ "بتخریق الثوبین المعصفرین" اس روایت کی تخریج امام عبدالرزاق نے مصنف عبدالرزاق میں حدیث نمبر ۱۹۹۶۵ پر فرمائی ہے اور اسی طرح جو یہ حکم دیا "تخریق متاع الغال" اسکی تفصیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا کہ مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے سامان جلا ڈالو اور ان کی پٹائی بھی کرو "حرقوا متاع الغال وضربوہ" اسی حدیث کی روشنی میں حسن بصریؒ کا خیال ہے کہ جانور اور قرآن مجید کو چھوڑ کر ایسے شخص کے تمام اسباب جلا دیئے جائیں گے (جدید فقہی مسائل حصہ سوم ص ۱۵۲)

(۲) صحابہ کرامؓ نے بھی تعزیراً جلانے کا حکم فرمایا ہے

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اثر:

اماابوبکر رضی الله عنه استشار الصحابة فی رجل ینکح کما تنکح المراة،فاشاروا بحرقه فی النار فکتب ابوبکر رضی الله عنه بذلک الی خالد بن الولید رضی الله عنه ثم حرقهم عبدالله بن الزبیر فی خلافتهم ثم حرقهم هشام بن عبدالملک (السنن الکبری للبیهقی (۔232/8)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرامؓ سے اُس شخص کے متعلق مشورہ کیا کہ اُس نے آدمی سے اس طرح نکاح کیا تھا کہ جسطرح عورت سے کیا جاتا ہے تو صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ اُس کو آگ میں جلایا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خالد بن ولیدؓ کو خط لکھا کہ اُس شخص کو جلایا جائے۔ پھر عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت میں اُس کو جلایا پھر اسکے بعد ہشام نے بھی اپنی خلافت میں اُن جیسا عمل کرنے والوں کو جلایا۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ ان واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

۔ومنها: ان ابابکر رضی اللہ عنہ حرق جماعة من اهل الردة، ومنها: تحريق عمر رضی اللہ عنہ المكان الذی يباع فيه الخمر، ومنها: تحريق عمر رضی اللہ عنہ قصر سعد بن ابی وقاص لما احتجب فيه عن الرعية وصار يحكم فی داره۔ (الحاوی، ج: ا ص: ۱۱۹)

اور ان واقعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین کی ایک جماعت کو جلایا تھا۔ اور ان واقعات میں سے حضرت عمر بن خطابؓ کا واقعہ بھی ہے کہ انہوں نے اُس گھر کو جلا دیا تھا جس میں شراب کی خرید وفروخت ہوتی تھی، اور انہی واقعات میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کے محل کو جلا یا دیا تھا جس وقت وہ رعایا سے چھپ گئے تھے اور اپنے گھر میں فیصلے سنایا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو جلا دیا اس کا نام فجاءۃ تھا۔ اس نے قوم لوط علیہ السلام کا عمل کیا تھا اور یہی رائے حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کی تھی، کیونکہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اس کے بارے لکھا تو آپ نے حضور نبی ﷺ کے اصحاب کو جمع کیا اور ان کے بارے میں ان

سے مشورہ طلب کیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بلاشبہ یہ ایسا گناہ ہے جو سابقہ امتوں میں سے سوائے ایک امت کے کسی نے نہیں کیا اور اس کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے بطور سزا معاملہ کیا اس کے بارے میں تم جانتے ہو، میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ اسے آگ کے ساتھ جلا دیا جائے۔ تو اصحابِ رسول اللہ ﷺ کی رائے پر متفق ہوئی کہ اسے آگ کے ساتھ جلا دیا جائے۔ نتیجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف اسے آگ کے ساتھ جلا دینے کا حکم بھیجا تو انہوں نے اسے جلا دیا۔ پھر ہشام بن ولید نے انہیں جلانے کی سزا دی۔ پھر خالد بن ولید قیشری نے عراق میں انہیں جلایا۔

روایت ہے کہ حضرت بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سات افراد لوطت کے جرم میں پکڑے گئے۔ تو آپ نے ان کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو آپ نے ان میں سے چار کو شادی شدہ پایا تو آپ نے ان کے بارے میں حکم صادر کیا پس انہیں حرم سے باہر نکال کر رجم کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گئے اور تین کو حد جاری کر دی اور آپ کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت بن عمر رضی اللہ عنہ تھے لیکن ان دونوں نے اس حکم پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اور یہی موقف امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے، حضرت بن عربی نے کہا ہے وہ موقف جیسے امام مالک رحمہ اللہ نے اپنایا ہے۔ وہ حق کے زیادہ قریب ہے اور وہ سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح اور اعتماد کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے۔ اور جہاں تک احناف کا قول ہے تو انہوں نے کہا کہ زنا کی سزا تو معلوم ہے تو یہ گناہ جب اس کے سوا ہے تو پھر ضروری ہے کہ وہ اس کی حد میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو اور وہ اس بارے میں اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں من وضع حدا فی غیر حد فقد تعدیٰ و ظلم (جس نے غیر حد کی جگہ حد لگائی تو اس نے زیادتی اور ظلم کیا اور یہ بھی کہ اس نے ایسی فرج میں وطی کہ ہے جس کے ساتھ نہ حلت کا تعلق ہے اور نہ احصان کا نہ مہر واجب ہوتا ہے اور نہ نسب ثابت ہوتا ہے۔ پس اس کے ساتھ حد کا کوئی تعلق نہیں۔ (احکام القرآن لابن العربی جلد دوم ص

۷۸۷۔ترجمہ وتفسیر قرطبی صفحہ نمبر ۱۰۴۰

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اوراس پر انصار میں سے ایک مرد کوامیر بنایا اور لشکر کو حکم دیا کہ وہ امیر کی اطاعت کریں پھر کسی بات پر امیر غضب ناک ہو گیا اس نے کہا: کیا تمہیں نبی ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ تم میری اطاعت کرنا؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! اس نے کہا: تم میرے لیے لکڑیاں لاؤ سولوگ لکڑیاں لائے پھر اس نے کہا: ان کو آگ لگاؤ' سوانہوں نے ان لکڑیوں کو آگ لگادی' پھر اس نے کہا: اس آگ میں داخل ہوجاؤ سو بعض نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور بعض نے ایک دوسرے کو روکا اور کہا کہ ہم آگ سے ہی تو بھاگ کر نبی ﷺ کے پاس آئے ہیں' پھر وہ اسی کیفیت پر قائم رہے حتیٰ کہ آگ بجھ گئی پس امیر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔جب نبی ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: اگر یہ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک نکل نہیں سکتے تھے صرف نیک کام کی اطاعت کی جاتی ہے ۔(تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناہج الاحکام لابن فرحون ج ۲ ص ۲۹۱)

بدھ مت اور آگ کی پوجا کرنے والوں سے متعلق چند معلومات

ہندو مذہب میں پانچ طرح کی موت کو عمدہ سمجھا جاتا ہے۔

۱)۔کھانے پینے سے ہاتھ کھینچ لے یہاں تک کہ موت آجائے۔

۲)۔گائے کے گوبر کو پیس کر اس کا لحاف اور بستر بنائے۔یعنی گوبر کو اوپر اور بدن کے نیچے کر کے لیٹ جائیں۔اور پاؤں کی طرف سے آگ لگا دیں، یہاں تک کہ آہستہ آہستہ آگ پاؤں کے ناخن سے شروع ہو کر سر کے بالوں تک پہنچ جائیں اور وہ اپنا دل بارگاہ الٰہی کی طرف کر کے مر جائے۔

۳)۔بخوشی اپنے آپ کو برف میں ڈال دیں یہاں تک کہ مر جائے۔

۴)۔ملک بنگالہ میں جہاں دریائے گنگا سمندر میں گرتا ہے نفس امارہ کے دشمن اس دریا میں غوطا لگاتے ہیں اور اپنے گناہوں کا شمار کر کے اللہ کی یاد یہاں تک کرتے ہیں کہ مگر مچھ آکر انہیں اندر کھینچ لیتے ہیں۔

۵)۔الٰہ باد جہاں گنگا جمنا ملتے ہیں۔خنجر سے اپنا سر آپ جدا کر دیتے ہیں۔ہندو لوگ ان سب کی خاصیتیں الگ الگ بیان کرتے ہیں۔(آئین اکبری از ابوالفضل ، جو ہرات علمیہ ص ۲۲۴)۔

آگ، سورج اور چاند کو پوجنے والوں پر ابلیس کی تلبیس

آتش پرستوں نے آگ کی پوجا کرنے کے لئے بہت سے آتش خانے بنائے۔ چنانچہ سب سے اول افریدون نے آگ کی پوجا کے لئے طرسوس میں آتش خانہ بنایا اور دوسرا بخارہ میں بنایا اور بہمن سے سیستان میں بنایا اور ابوقباذ نے نواح بخارا میں بنایا اور اس کے بعد بکثرت آتش خانے بنائے گئے۔زرادشت نے ایک آگ رکھی تھی جس کی نسبت وہ مدعی تھا کہ یہ آسمان سے اتری ہے اور اسی نے ان کے نذرانے کھائے ہیں۔اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس نے ایک احاطہ بنایا اور اس کے درمیان میں ایک شیشہ نصب کیا اور نذرانہ کا جانور ایک لکڑی پر لٹکایا۔جس پر گندھک لگا دی تھی۔جب ٹھیک دو پہر کو سورج سر پر آیا اور چھت کے روشندان سے سورج کی کرن اس شیشہ پر پڑی تو گندھک کی تیزی سے لکڑی میں آگ لگ گئی۔زرادشت نے کہا کہ اب تم اس آگ کو بجھنے نہ دینا۔

ہندوستان کے برہمنوں میں سے بعض قوم ہے جس پر شیطان نے یہ رچایا کہ اپنی جان جلا کر اللہ کے ہاں تقریب حاصل کریں۔ چنانچہ جب کوئی آمادہ ہوتا ہے تو اس کے لئے ایک گڑھا کھودا جاتا ہے یعنی آگ بھری جاتی ہے اور لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔اس کو خلوق سے خوشبودار کرتے ہیں ڈول ونکارا و جھانجہ بجاتے ہوئے یہ کہتے ہوئے لاتے ہیں کہ اس جیو (جان) جو مبارک ہوا اب بیکنٹھ (جنت) کے اونچے درجہ پر چڑھ جائے گا۔وہ کہتا ہے کہ تمہاری یہ قربانی مقبول ہو اور میرا ثواب جنت ہو، پھر وہ اپنے آپ کو اس خندق میں ڈال دیتا ہے، اور جل کر خاک سیاہ ہو جاتا ہے۔ااور اگر وہ آگ میں نہ کودا اور بھاگ کھڑا ہوا تو اس کو تھتکارتے ہیں اور اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔آکر وہ لاچار ہو کر پھر جلنا اختیار کرتا ہے۔

بعض کے لئے ایک پتھر سخت گرم کیا جاتا ہے، اور اس کے پیٹ پر لگایا جاتا ہے اور اسی طرح دوبارہ کیا جاتا ہے اور برابر اسی طرح اس کے پیٹ سے گرم پتھر لگائے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کا پیٹ پٹ جاتا ہے اور آنتیں نکل پڑتی ہے تو وہ مرجاتا ہے۔

کوئی اس قدر آگ سے نزدیک کھڑا ہوتا ہے کہ اس کی جربی گل کر بہتی ہے تب گر کر جل جاتا ہے۔

بعض کی پنڈلی اور ران سے ٹکڑے کاٹ کر آگ میں ڈالے جاتے ہیں اور لوگ اس کی تعریفیں کر جاتے ہیں، اور اس کے مثل مرتبہ مانگتے ہیں آخر وہ مرجاتا ہے۔ کوئی گائے کے گوبر میں (یعنی کنڈوں میں ساق تک کھڑا ہوتا ہے اور اس میں آگ لگادی جاتی ہے اور جل کر مرجاتا ہے۔

بعض کے لئے پانی کے قریب خندقیں کودی جاتی ہے تو وہ خندقوں میں گر پڑتا ہے یہاں تک کہ جب آگ مشتعل ہوجاتی ہے تو وہ اٹھ کر پانی میں غوطہ مارتا ہے اور پھر وہ پانی سے خندقوں کی طرف لوٹتا ہے یہاں تک کہ مرجائے، پھر اگر وہ پانی وخندق کے درمیان میں مرگیا تو اس کے آدمی غمگین ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جنت سے محروم رہا۔ اور اگر وہ پانی یا خندق میں مرا تو گواہی دیتے ہیں کہ وہ جنت میں پہنچ گیا۔ کوئی ان میں سے بھوک پیاس سے تڑپ کر جان دیتا ہے، پس پہلے تو چلنے سے عاجز ہو کر بیٹھ جاتا ہے پھر بیٹھنے سے عاجز ہو کر مردہ کی طرح لبٹ جاتا ہے پھر بات نہیں نکلتی، پھر حواس میں خلل ہو کر تڑپنے لگتا ہے، پھر تڑپنا ہی موقوف ہو کر مرجاتا ہے۔

بعض ان میں نکل کر آفتاب یا (چٹیل میدان) میں جاتا ہے۔ جہاں دھوپ کے سوا سایہ نہیں اور کچھ لوگ اس کے ساتھ دعا دیتے اور مبارک باد کہتے جاتے ہیں۔ جب وہ سہرا میں جاتا ہے تو بیٹھ جاتا ہے اور شکاری چڑیاں ہر طرف سے اکٹھی ہوتی ہے پھر وہ ننگا ہو کر لیٹ جاتا ہے اور لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور شکاری چڑیان ہر طرف سے اس پر ہجوم کر کے اس کو کھاتی ہے۔ جب وہ چلی جاتی ہے تو لسگ آ کر اس کی ہڈیاں لے جا کر جالتے ہیں اور اس کی راکھ بطور تبرک رکھتے ہیں۔ تلبیس ابلیس ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۲۸

راجہ جے پال نے خود کو آگ میں کیوں جلایا دلچسپ تاریخی حقائق

خود اپنے مذہبی عقیدے کے موافق (جو راجہ دومرتبہ دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے اس کو جل مرجانا چاہئے)۔ آگ میں جل مرا (آئینہ ص ۱۶۳ بحوالہ فتوح الہند بحوالہ تاریخ بکھرے موتی ص ۲۹۲۔ ۲۹۳)

بیوی کی لاش خاوند کے ساتھ جلا کر ستی

اسلام سے پہلے عورت کے لئے دین و مذہب میں کوئی حصہ نہ تھا، نہ اس کو عبادت کے قابل سمجھا جاتا تھا، نہ جنت کے۔ روما کی بعض مجلسوں میں باہمی مشورہ سے یہ طے کیا گیا تھا کہ وہ ایک ناپاک جانور ہے جس میں روح نہیں! عام طور پر باپ کے لئے لڑکی کا قتل بلکہ زندہ درگور کر دینا جائز سمجھا جاتا تھا بلکہ یہ عمل باپ کے لئے عزت کی نشانی اور شرافت کا معیار تصور کیا جاتا تھا، بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ عورت کو کوئی بھی قتل کر دے نہ اس پر قصاص واجب ہے نہ خون بہا، اور اگر شوہر مر جائے تو بیوی کو بھی اس کی لاش کے ساتھ جلا کر ستی کر دیا جاتا تھا۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ج ۱ ص ۵۴۸)

سورج اکثر مشرک قوموں کا دیوتا اور معبود رہا اور اب بھی ہے۔
مختلف قوموں نے پہاڑوں کی بھی پرستش کی اور ان کے تقدس اور پاکیزگی کے راگ الاپے ہیں مثلاً ہندوں میں کیلاش پربت جس کی طرف بارش اور زمین کی زرخیزی کو منسوب کیا جاتا ہے۔
آگ کے متعلق تو ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ زمانہ قدیم سے آتش پرستوں کی معبود رہی ہے اور ہندوستان میں آج بھی دوسرے دیوتاؤں کے ساتھ اگنی دیوتا بھی ویدوں کا معبود رہا ہے۔ قدیم ہند میں آریہ لوگ اگنی دیوتا کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ اسی قدیم زمانے میں آتش پرست رہے ہیں۔ یونان کے ہر بڑے شہر میں ایک بڑا آتش کدا ہوتا تھا جہاں دن رات آگ روشن رہتی تھی۔

پانی کی پوجا کا تصور بھی قدیم ہے۔ آگ کے بعد پانی کی سب سے زیادہ پرستش کی گئی مصر میں دریا نیل کی پوجا ہوتی ہے۔ ہندستان میں گنگا اور جمنا کے پانی کو مقدس خیال کیا جاتا ہے، نیز

دریائے سرسوتی کی دیوی علوم وفنون کی سرپرست خیال کی جاتی تھی۔ دریاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسان کی قربانی دی جاتی تھی اور مصر میں ہر سال ایک دوشیزہ لڑکی کو دریائے نیل کی نذر کیا جاتا تھا۔ (جواہرات علمیہ ص ۲۱۸۔۔۔۲۱۹)

(۳) آگ میں چیزوں کو جلانے کے مختلف واقعات

ذوالکفین بت کو جلانا

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے عرض کیا آپ مجھے عمرو بن حممہ کے بت ذوالکفین کی طرف روانہ کیجئے تاکہ میں اسے جلا کر خاکستر کردوں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ طفیل نے اسے جلا دیا۔

یاذاالکفین لستُ من عبادکاً میلادنا اقدم من میلادکاً انی
حشوث النار فی فوادکاً

ترجمہ: اے ذالکفین! میں تیرے پرستاروں سے نہیں ہوں، ہماری عمر تجھ سے بڑی ہے، میں نے تیرے اندر آگ بھر کر راکھ کردیا۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۹)

حضرت علیؓ کا مرتدین کو جلانا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متعدد مرتدوں کو زندہ جلا یا دیا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے پتہ چلتا تو جلانے نہ دیتا، انہیں توقتل کا حکم ہے، جلانا نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو فرمایا کہ ہاں مسئلہ یہی ہے، اسی طرح حضرت صدیق اکبر نے مسئلہ ارتداد کا باتفاق جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم یہ فیصلہ فرمایا! جب کہ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں لشکر اسلام روانہ فرمایا، آج تک تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آئمہ دین علمائے حق اسی پر متفق

ہیں۔(احتساب قادیانیت ج ۲۴ ص ۵۲۷)

اتباع سنت کی خاطر صحابیؓ کا اپنے بالوں کو جلانا

ایک صحابی تھے حبشہ کے اور جو حبشی لوگ ہوتے ہیں ان کے سر پر جو بال ہوتے ہیں وہ چھوٹے ہوتے ہیں، کرلی ہوتے ہیں، لمبے نہیں ہوتے، وہ جب نہاتے آئینے میں چہرہ دیکھتے، ان کا جی چاہتا کہ میرے سر میں بھی مانگ اسی طرح نظر آئے جیسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر آتی ہیں۔تو کنگھے سے اپنی مانگ بنانے کی کوشش کرتے تھے، مانگ بنتی نہیں تھی، انہیں اپنا سر اچھا نہیں لگتا تھا۔محبت میں ایک دن لوہے کی ایک گرم سلاخ تھی وہ انہوں نے آگ میں سے نکالی اور اپنے سر پر پھیر لی، زخم ہوگیا، علاج معالجے سے ٹھیک ہوگیا۔لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے سر کو جلا لیا، اتنی تکلیف کیوں پہنچائی؟ فرمانے لگے: تکلیف تو بالآخر ختم ہوگئی، آئندہ میرا سر مانگ کی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک سر سے مشابہت پا گیا۔کیا محبت ہوگی ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ۔(خطبات فقیر جلد ۲۸ ص ۱۳۲)

ایک عابدہ کا خوف الٰہی کے ڈر سے ہاتھ جلانے کا واقعہ

ایک حسین ترین عابدہ زاہدہ عورت کے پاس ایک شخص کا گزر ہوا، تو اس کی بری خواہش بھڑک اٹھی، تو وہ اس کے پاس چلا گیا، اور اس سے اپنے ارادہ کا اظہار کیا تو عورت نے انکار کیا اور کہا جو تو دیکھ رہا ہے اس کے دھوکہ میں نہ پڑھ ایسا کبھی نہیں ہوگا، لیکن مرد بھی اپنی ضد پر ڈٹا رہا حتی کہ عورت کو اپنے قابو میں کرلیا۔اس عورت کے پاس آگ کے انگارے پڑے ہوئے تھے، اس نے ان پر اپنا ہاتھ رکھ دیا حتی کہ اس کا ہاتھ جل گیا، جب مرد گناہ سے فارغ ہوا تو عورت سے پوچھا تو نے اپنا ہاتھ کیوں جلایا ہے؟ عورت نے کہا جب تو نے زبردستی سے مجھ پر قابو پالیا تو میں ڈرگئی کہ لذت گناہ میں تیری شریک نہ بن جاؤں، اور میں بھی تیرے طرح گناہ گار

ٹھہروں، میں نے یہ ہاتھ اسی لئے جلایا۔ مرد نے کہا (اگر یہ بات ہے تو) اللہ تعالیٰ کی قسم میں بھی اب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کبھی نہیں کروں گا، اور اس نے جو گناہ کیا تھا اس سے توبہ تائب ہوا۔ (علامات محبت ص ۲۵۸۔ بحوالہ کتاب التوابین)

انگلی کو آگ پر کا جلانا

سلمہ بن منصور کا ایک غلام حضرت حنیف بن قیسؒ کی خدمت میں رہا کرتا تھا، وہ بیان کرتا ہے کہ ان کی رات میں اکثر عبادت دعا کی ہوتی تھی یہ ایک چراغ کے پاس آتے اور اپنی انگلی اس پر رکھ دیتے اور فرماتے اے حنیف! تمہیں کس نے ابھارا تھا کہ تم نے فلاں دن یہ جرم کیا۔ (علامات محبت ص ۲۶۱۔ بحوالہ ذم الھوی)

منصور حلاج کی لاش کو جلا کر راکھ کر دیا گیا

تاریخ طبری میں منصور حلاج کی قتل کی وجہ یہ لکھی ہے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے وزیر حامد ابن عباس کی مجلس میں ان کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکلا جو بظاہر خلاف شرع تھا۔ اس پر قضاۃ اور علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ خلیفہ مقتدر نے شہر کوتوال محمد بن عبدالصمد کو حلاج کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ کوتوال نے اس ڈر سے کہ کہیں لوگ ہنگامہ کر کے اس کو چھڑا نہ لیں آپ کو رات کے وقت گرفتار کیا۔ لیکن جب آپ کو منگل کے دن بتاریخ ۲۴ ذیقعدہ ۳۰۹ھ باب الطاق میں لے جایا گیا تو ایک ہجوم اکٹھا ہوگیا۔ سب سے پہلے جلاد نے ہزار کوڑے لگائے لیکن آپ نے اُف تک نہ کی۔ پھر آپ کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے اس پر بھی آپ خاموش رہے اس کے بعد آپ کا سرتن سے جُدا کر دیا گیا اور آپ کی لاش جلا کر اس کی راکھ دریائے دجلہ میں بہادی گئی اور آپ کا سر شہر بغداد کی دیوار پر نصب کر دیا گیا اور پھر اس کو شہر کی ہر گلی کوچے میں گھمایا گیا۔ (حیات الحیوان اردو ج ۱ ص ۷۰۹۔ بحوالہ تاریخ طبری ج ۱۱ ص ۹۴ المکتبۃ الشاملۃ)۔

ہندوؤں مذہب میں مردوں کو جلانے کی اصل

ایک صاحب نے "حضرت حکیم الامت تھانویؒ" سے عرض کیا کہ حضرت ہندوؤں کے یہاں مردے جلائے جاتے ہیں کیا اسکی کچھ اصل ہے؟ فرمایا کہ ہمارے حیدرآبادی ماموں صاحب نے اسکے متعلق ایک عجیب بات کہی کوئی تاریخی بات تو ہے نہیں تخمینی ہی ہے مگر ہے جی کو لگتی، اس میں ایک مقدمہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اصل مقتضا فطرت کا یہ ہے، کہ کسی شے کے ناکارہ ہوجانے کے بعد اس کو اس عنصر میں ملا دیا جائے جو اس میں غالب ہو، تو انسان میں چونکہ خاکی عنصر غالب ہے، اس لئے دفن کر کے خاک میں ملا دیتے ہیں اور ہندوؤں کے پیشواؤں میں اکثر دیوتا جنات میں سے ہوئے ہیں، ان میں نار غالب ہے تو عجب نہیں کہ ان کی شریعت میں یہ حکم ہو یا فلسفی طور پر قومی رسم ہو، کہ ان کو بعد موت آگ میں جلا دیتے ہوں، مگر شریعت محمدیہ چونکہ عام ہے اس لئے اس وقت جنات کے لیے بھی کوئی حکم خاص نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت ج ٦ ص ٥٦)

مردہ کو دفن کرنا بہتر ہے یا جلانا؟

اسلام کی خوبی یہ ہے کہ مردہ کے دفن کا حکم دیا گیا اور جلانے کی ممانعت کر دی کہ دفن میں اکرام ہے، اور احراق میں اس اصل سے عدول ہے۔ بعض مدعیین فلسفہ جلانے کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور دفن کی خرابیاں کہ اس سے مٹی خراب ہوتی ہے اور اس سے بخارات اٹھتے ہیں وہ گندے زہریلے اور متعفن ہوتے ہیں اس طرح کے نکتوں سے ثابت کرتے ہیں کہ جلانا اچھا ہے مگر ہم تو اس کے خلاف مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کسی مدفون کی قبر پر ہمیں بدبو نہیں آئی۔ مگر مرگھٹ پر تو اس قدر متعفن اور گندی ہوا ہوجاتی ہے کہ ناک نہیں دی جاتی۔ ایسے مہمل نکتے تو ہر چیز میں بیان ہوسکتے ہیں مگر سلامتی فطرت حق و باطل کا فیصلہ خود کر لیتی ہے، بلکہ عقل تو دفن کو پسند کرتی ہے کہ اس میں بدن کو اس کی اصل میں پہنچا دیا۔ باقی خاک ہونا اصل ہے سو اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر عنصر کا اپنی چیز کی طرف میلان ہے۔ اگر کوئی شخص کوٹھے پر سے اچھلے اگر وہ اوپر چلا جاتا تو

ہوایا نار غالب ہوتی۔اب تو خاک کا غالب ہے۔اور آب (پانی) کا غلبہ نہ ہونا بھی ظاہر ہے ورنہ آب میں پہنچ کر عمق کی طرف نہ جانا بس خاک کا غلبہ متعین ہوگیا۔اور یہ قاعدہ عقلی ہے کہ "کل شیئ یرجع الی اصلہ" ہر شی اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔تو خاک میں دفن کرنا بالکل عقل کے موافق ہے اور اس کے ماسواسب فطرۃ سلیمہ اور عقل کے بالکل خلاف ہے۔باقی احراق (جلانے) کی رسم کیسے نکلی،سوایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے یہاں پُرانی تاریخ میں اوتار اور دیوتاؤں کی معاشرت کا ذکر ہے یہ وہ جن تھے غالباً ان کے شرائع اور تھے اور انسان کے اور تو ان عنصر غالب یعنی نار کا مقتضی یہ تھا کہ بعد موت ان کے ابدان کو اسی میں ملا دیا جائے چونکہ ان میں آگ غالب تھی۔اس لئے آگ میں جلا دیئے جاتے تھے۔یہ قصے ان کے کتابوں میں مذکور ہوں گے،جہالت اور نادانی سے خدا بچائے یہ ایسے بزرگوں کی سنت سمجھ کر خود بھی یہی کرنے لگے۔گو یہ بات تاریخ سے ثابت نہیں مگر قرائن سے یہی مؤید ہیں۔(اشرف الجواب حصہ اول ص ۵۸۔)

مسلمانوں کا مردہ کو خاک میں دفن کرنے اور آگ میں نہ جلانے کی حکمت

دفن کرنے میں مردہ کے حق میں پردہ پوشی ہے،اور زندوں کے حق میں کچھ دشواری نہیں۔پانی اور ہوا میں مردہ کو رکھے تو ناک اور آنکھ کو الگ الگ تکلیف پہنچے یعنی بدبو سے ناک سڑ جائیں صورت کو دیکھے تو گھن جدا آئے آگ میں جلائے تو گو اس میں عرصہ دراز تک تو بدبو اور گھن نہیں رہتی لیکن جلانے کے وقت کی کیفیت تو جلانے والوں اور گرد وپیش کے رہنے والوں سے پوچھو پھر ہوا کی خرابی سے پانی بگڑنے کا اور بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ جدا رہا اور فساد عناصر سے جو کچھ نقصان پہنچتا ہے وہ ضدا رہا دفن کرنے میں نہ یہ خرابی نہ وہ فساد بلکہ شیرازہ ترکیب بدن کے کھل جانے سے بدن مردہ کے عناصر اربعہ اپنے اپنے موقع اور مقام پر پہنچ جاتے ہیں اوراس لئے خاک اور پانی اور ہوا اور آتش کی مقدار جتنی تھی اتنی کی اتنی ہی ہمیشہ رہتی ہے۔(احکام اسلام عقل کی نظر میں ص ۹۵)(آگ دنیا میں جہنم کی معنوی تصویر ہے)

آگ بجھانے کیلئے بزرگوں کے مجربات

"قال النیشابوری عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان اسماء اصحاب الکهف تصلح للطلب و الهرب و اطفاء الحریق تکتب فی خرقة ویرمی بهافی وسط النار ولبکاء الطفل تکتب و توضع تحت راسه فی المهد و للحرث تکتب علی القرطاس و ترفع علی خشب منصوب فی وسط الزرع و للضربان و الحمی المثلثة و الصداع و الغنی والجاه والدخول علی السلاطین تشد علی الفخذ الیمنی ولعسر الولادة تشد علی فخذها الیسری ولحفظ المال والرکوب فی البحر و النجاة من القتل"

ترجمہ: طلب وہرب (بھاگنے) کے لئے آگ بجھانے کے لئے، اگر کسی کاغذ وغیرہ پر اصحاب کہف کے نام لکھ کر آگ میں ڈال دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ آگ بجھ جائے گی، بچوں کے رونے کے لئے اور تیسرے دن کے بخار کے لئے اور دردسر کے لئے دائیں بازو پر باندھیں، اورام صبیان اور دریائی یا خشکی کے سفر اور مال وپھلوں کی حفاظت کے لئے اور ترقی ذہن کے لئے اور قتل سے نجات کے لئے۔

وفرمود محبوب رحمانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہ اصحاب الکہف بزمانہ امام مہدیؓ بیدار شدہ بمعیت امام موصوف جہاد خواہند کرد۔ (جلالین شریف ص ۲۴۳ قدیمی کتب خانہ)

بچہ کے رونے کے لئے، تکیہ کے نیچے رکھا جائے اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کسی کاغذ وغیرہ پر لکھ کر کھیت کے درمیان کسی اونچی لکڑی پر آویزاں کردیا جائے، اور

حاکم یا سلاطین کے پاس جانے کے وقت دائیں ران پر باندھا جائے اور عسر ولادت کے لئے بائیں ران پر باندھا جائے۔ (جلالین شریف سورت کہف)

بسم اللہ کے نزول کے وقت

شیطان پر آگ کے انگارے برسے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب بسم اللہ اتری تو بادل مشرق کی طرف ہٹ گئے، ہوا رک گئی، دریا پرسکون ہو گیا، جانوروں نے کان لگا لیے، شیطان پر آسمان سے آگ کے انگارے برسے اور حق تعالیٰ نے اپنی عزت کی قسم کھا کر فرمایا جس چیز پر میرا یہ نام "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لیا جائے گا اس میں ضرور برکت ہوگی۔ (دُرمنثور ج ۱ ص ۹)

مشرکین کیلئے آپ ﷺ کی آگ سے عذاب کی بدعا کرنا

ملاء اللہ بیوتھم وقبورھم نارا

غزوہ خندق کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں جو ۴ ہجری یا ۵ ہجری میں ہوتھا۔ اس جنگ کو غزوہ خندق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس غزوے کے موقع پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے دشمنوں سے بچاؤ کے خاطر مدینے کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ خندق کھودنے میں تمام مسلماوں ن کے ہمراخود سرکار دو عالم ﷺ (فداابی وامی) بھی بنفس نفیس شریک تھے جس طرح دیگر مخلص مومنین دن دن بھر بھوکے پیاسے رہ کر اللہ کے دین کی حفاظت اور اپنے محبوب پیغمبر کے مشن کی کامیابی کے لئے اس محنت ومشقت میں مصروف رہتے تھے۔ اسی طرح آقائے نامدار سرور کائنات فخر دو عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ بھی بڑی بڑی تکالیف برداشت فرما کر مصائب ورنج اٹھا کر بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ کر سردی کی شدید پریشانی اور زمین کو کھودنے پتھر اکھاڑنے کی سخت محنت جھیل کر آپ نے جانسار رفقاء کی ہمراہ خندق کھودتے تھے۔ اسی جنگ میں بسب تر داور تیراندازی آں حضرت ﷺ کی چار نمازیں قضا ہو گئیتھیں۔ کہ انھیں میں عصر کی نماز بھی تھی۔ آں حضور ﷺ نے عصر کی نماز کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے یہ بددعا فرمائی جس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح ان کفار و

مشرکین نے ہماری نمازیں قضاء کرا کر ہمیں سخت روحانی تکلیف واذیت میں مبتلا کیا ہے۔ خدا کرے وہ بھی دنیا و آخرت کی شدید عذاب میں مبتلا کی جائیں۔

ایک معمولی سا خلجان یہاں واقع ہوسکتا ہے کہ جنگ احد کی موقع پر آپ ﷺ کی ذات اقدس کو جب کہ کفار کی جانب سے بے انتہائی تکلیف پہنچائی گئی۔ تو آپ ﷺ نے وہاں بددعا نہیں کی اور یہاں بددعا فرمائی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ جنگ احد میں آں حضرت ﷺ کی ذات اقدس کا معاملہ تھا وہاں آپ ﷺ کی شان رحمت کا تقاضا تھا کہ آپ نے نفس کے معاملے میں کسی کے لئے بددعا نہ کریں مگر یہاں نماز کا سوال تھا جس کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے نہ تھا بلکہ حقوق اللہ سے تھا اس لئے آپ ﷺ نے بددعا فرمائی۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۵۶)

فصل سوم

آگ سے جلنے اور جلانے کے فقہی مسائل

ناپاک چیز کے جلانے کے بعد باقی چیز کا حکم

مسئلہ:......ناپاک چیز کے جلانے کے بعد جو چیز باقی بچتی ہے، اسے ناپاک کہنے والے فقہاء بھی اسکی تھوڑی مقدار کو ضرورت کیوجہ سے معاف قرار دیتے ہیں، اور اس وجہ سے بھی کہ مشقت کیوجہ سے احکام میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔(فتح القدیر۔۱،۱۳۹،البدائع۔۱،۸۵،ابن عابدین۔۱،۲۳۲)

مسئلہ:......اگر نجس مٹی سے کوزہ یا مٹکا وغیرہ بنایا جائے اور اس کو آگ میں جلایا جائے تو وہ پاک ہوجاتا ہے۔

راکھ سے تیمم کرنے کا حکم

مسئلہ:......ہر وہ چیز جسکو اسطرح جلادیا گیا کہ وہ راکھ ہوگئی اس سے بالاجماع تیمم جائز نہیں ہے ،اور جس چیز کو اتنا جلایا گیا کہ ابھی وہ راکھ نہیں ہوئی، اسکے بارے میں حنفیہ کا مسلک اور شافعیہ کا اصح قول یہ ہے کہ اس سے تیمم کرنا جائز ہے، کیونکہ جلانے کیوجہ سے وہ چیز اپنی اصل سے باہر نہیں ہوتی۔

مالکیہ کا مسلک، حنابلہ کا معتمد قول اور شافعیہ کا ایک قول یہ ہے، کہ جو چیز جلادی گئی اس سے تیمم جائز نہیں، کیونکہ جلانے کیوجہ سے وہ چیز ''صعید'' پاک مٹی ہونے سے خارج ہوگئی۔(الموسوعہ الفقہیہ ج ۲ ص ۱۹۴)

اگر آگ بھڑک اٹھی اور پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرنا جائز ہے

مسئلہ:......اگر کسی جگہ آگ بھڑک اٹھی اور آگے جانے کا راستہ نہ ہو اور نماز کا وقت ہو گیا، تو اس وقت تیمم کر کے نماز پڑھے۔ صاحب بنایہ نے ''وَخائف السبع والعدو'' کے تحت ''ونحوه الحريق والحية'' کا ذکر کیا ہے۔

ترجمہ: اگر کسی شخص کو دشمن یا درندہ کی وجہ سے اپنی جان یا مال کی ہلاکت کا خوف ہو تو پانی کے باوجود تیمم کر سکتا ہے، کیونکہ وہ بھی پانی استعمال کرنے سے حکماً عاجز ہے۔ (البنایہ شرح الهدایۃ ج۱ ص ۵۴۷)

آگ بھڑکنے کے وقت گھروں سے باہر نکلنا

(آگے دونوں مسئلے زلزلہ کے بارے میں ہے)

آگ بھڑکنے کے دوران چونکہ عمارتوں کے گرنے یا اور کسی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور اپنی جان کی حفاظت کرنا بھی انسان پر لازم ہے اس لئے ایسے اوقات میں گھروں سے باہر نکلنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے کیونکہ نہ نکلنے کی صورت میں اپنی جان کو ہلاکت اور خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لما قال الله تبارک وتعالى {ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة واحسنوا ان الله يحب المحسنين} (البقرة آیت ۱۹۵)

اور خود اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، اور نیکی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

لما قال العلامة ابن البزاز الكردري رحمه الله: واذا تزلزلت الارض وهو في بيته له الفرار الى الصحراء (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۷۱ بحواله (فتاوى حقانية ۲ ص ۴۵۹)

امام کردریؒ فرماتے ہیں کہ جب زلزلہ آجائے اور آدمی اپنے گھر کے اندر ہو تو اسکو باہر صحراء کی طرف نکلنا چاہیے۔

آگ بھڑکنے کے وقت نماز توڑنے کا حکم

کبھی کبھی نماز مختلف امور کی وجہ سے توڑنا لازم ہوتا ہے ،اور اس سے گناہ لازم نہیں ہوتا ہے۔انہی امور میں سے ایک غرق ،حرق ہے جب کوئی پانی میں ڈوب جائے یا آگ میں جل رہا ہو(تو اُس کو بچانے کیلئے نماز توڑنا ضروری ہے جبکہ دوسرا کوئی بچانے والا نہ ہو) ۔(کبیری ص ۳۰۸)

آگ بھڑکنے کے باعث باجماعت نماز توڑ کر باہر نکلنے کے بارے میں صریح جزیہ نہیں ملا مگر فقہی ذخائر میں بعض ایسے جزئیات موجود ہیں کہ مالی نقصان سے بچنے کے لئے نماز کو توڑا جا سکتا ہے تو جانی نقصان سے بچنے کے لئے نماز توڑنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا ،چونکہ زلزلہ میں جانی نقصان کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے نماز چھوڑ کر باہر نکلنا جائز ہے۔

لما قال ابن عابدين : (تتمه) نقل عن خط صاحب البحر علي هامشه: ان القطع يكون حراما و مباحا و مستحبا و واجبا فالحرام لغير عذر و المباح اذا خاف فوت مال و المستحب القطع للكمال و الواجب لا حياء النفس۔(فتاوىٰ حقانية ج۳ص ۲۲۴)

علامہ ابن عابدینؒ صاحب بحر کے حوالہ سے فرماتے ہیں :''کہ کہ نماز کا توڑنا کبھی حرام ،کبھی مباح ،کبھی مستحب ،اور کبھی واجب ہوتا ہے۔بغیر عذر کے توڑنا حرام ہے ،مال کی ہلاکت کے وقت جائز ہے ،اور نماز کی تکمیل کیلئے مستحب ہے ،اور کسی کی جان بچانے کیلئے واجب ہے۔

الفتاوی السراجیہ میں ہے:

۔" اذاخاف المصلى ان يسقط اعمىٰ اوصبى من سطح اوتحرقه النار اويغرقه ماء عليه قطع الصلوٰة"۔(الفتاوى السراجيه ص ۱۲۶)

کہ جب نمازی کو کسی نابینا یا بچہ کے چھت سے گر جانے کا یا کسی کے آگ میں

جل جانے یا کسی کے پانی میں ڈوب جانے کا خوف ہوتو اس پر نماز کا توڑنا واجب ہے۔

فائدہ: پہلے یہ بات گزرچکی ہے کہ آگ بھڑکنے کے وقت نماز توڑنے کے متعلق صریح جزئیہ نہیں ملا۔ فتاوی سراجیہ کی اس عبارت سے الحمدللہ صریح جزئیہ بھی مل گیا کہ جہاں پر آگ لگ جائے اور کوئی شخص نماز میں مشغول ہوتو اُس کو نماز توڑنا جائز ہے۔ اور اگر اسکی جان کو یقینی خطرہ ہوتو پھر واجب ہے۔ وللہ الحمد

جلے ہوئے نعش کو غسل دینے کا حکم

فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ جلے ہوئے مردہ کو اگر غسل دینا ممکن ہوتو دوسرے مردوں کی طرح اسے بھی غسل دیا جائیگا اسلئے کہ غسل نہ دیا جانا معرکہ جنگ میں قتل ہونیوالے شہید کی خصوصیت ہے اگر چہ وہ میدان جنگ میں اپنے کسی فعل کیوجہ سے جل گیا ہو، جو شخص معرکہ کے باہر جلا ہو وہ آخرت کے اعتبار سے شہید ہے، اسپر معرکہ جنگ کے شہداء کے احکام جاری نہ ہونگے۔ (حاشیہ ابن عابدین۔ ج ۲، ص ۲۴۹، الموسوعہ الفقھیہ ج ۲ ص ۱۹۴۔)

جب جسم جل جائے، تو اس کا حکم یہ ہے اگر میت کا جسم پھولا ہوا بدبو کرتا ہے اور ہاتھ سے اس کا مسح کرنا مشکل ہے تو اس پر صرف پانی ڈال دینا کافی ہے غسل مسنون دینا اس کے لئے واجب نہیں اور یہی حکم اس میت کا ہوگا جو گاڑی کے نیچے آکر چور چور نہ ہوگیا ہو یا آگ میں جل کر کوئلہ نہ بن گیا ہو بلکہ ڈھانچہ اس کا موجود ہو۔ البتہ اگر کسی میت کا اکثر بدن یا نصف سر سمیت سالم مل گیا ہے تو اس کو غسل دینا فرض ہے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

اگر یہ خطرہ ہو کہ غسل دینے سے نعش ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی تو اسپر پانی بہادیا جائیگا، نعش کو چھو انہیں جائیگا، اور اگر صرف پانی بہانے سے بھی نعش ٹکڑے ہونے کا خطرہ ہو تو اسپر پانی نہیں ڈالا جائیگا، اگر ممکن ہوتو اس کو زندہ شخص کی طرح تیمم کرادیا جائے جسے پانی سے تکلیف پہنچتی ہو، اگر جلی

ہوئی نعش کے بعض حصہ کو غسل دینا ممکن ہے، اور بعض حصے کو غسل دینا دشوار ہے تو جتنے حصہ کو غسل دینا ممکن ہو اسے غسل دیا جائے اور باقی کو تیمم کرا دیا جائے گا زندہ شخص کی طرح۔

(المبسوط۔۲، ۵۲ مبدائع۔۱، ۳۲۰، روضۃ الطالبین۔ ۲، ۱۰۸، الموسوعۃ الفقہیہ ج ۲ ص ۱۹۶)

آگ یا بجلی سے جل کر مرنے والے کے غسل کا مسئلہ

جو شخص آگ یا بجلی وغیرہ سے جل کر مر جائے، اسے باقاعدہ غسل و کفن دے کر اور نماز جنازہ پڑھ کر سنت کے مطابق دفن کیا جائے اور اگر لاش پھول یا پھٹ گئی ہو تو اس کا حکم اوپر بیان ہو چکا ہے۔ درمختار (۵۷)، بحر (۵۸)، امداد الاحکام (۵۹)۔

لیکن جس شخص کو باغیوں، ڈاکہ زنوں یا غیر مسلم ملک کے کافروں نے جلا کر مارا ہو، یا وہ معرکہ جنگ میں مرا ہوا پایا جائے اور اس میں شہید کی سب شرائط موجود ہوں تو اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے۔ (احکام میت ص ۲۰۰)

جو شخص جل کر راکھ ہو گیا ہو اسکی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

مالکیہ میں سے ابن حبیب اور حنابلہ اور بعض متاخرین شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ جو نعش جل کر خاکستر ہو گئی ہو اسکو غسل دینا اور تیمم کرانا اگرچہ ناممکن ہے لیکن اسکی نماز جنازہ پڑھی جائیگی، کیونکہ نماز جنازہ نہ پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جو چیز آسان اور قابل عمل ہو وہ اس چیز کیوجہ سے ساقط نہیں ہوگی جسے کرنا مشکل اور ناقابل عمل ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد صحیح طور پر ثابت ہے} و اذا امرتکم بامر فاتوا منہ ما استطعتم ا(ترجمہ۔ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے استطاعت بھر کرو) نیز نماز جنازہ کا مقصد میت کیلئے دعا اور سفارش کرنا ہے ان حضرات کی دلیل اسے شراب پر قیاس کرنا ہے کہ شراب جب سرکہ بن جائے تو پاک ہوتی ہے، اور کچی کھال کو جب دباغت دے دی جائے تو وہ پاک ہوتی ہے۔

فقہائے شافعیہ اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک، مالکیہ کا غیر معتمد قول اور حنابلہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ

جلانے کے بعد جو چیز رہ جاتی ہے وہ دوسری چیز نہیں ہو جاتی لہذا وہ جلانے کے بعد بھی پہلے کیطرح ناپاک رہیگی چاہے وہ چیز سراپا نجس ہو یا اصلا پاک ہو لیکن ناپاکی لگنے سے ناپاک ہو گئی ہو کیونکہ اسکے ساتھ ناپاکی برقرار ہے اسلئے کہ جلانے کے بعد جو چیز رہ گئی ہے وہ بھی اسی ناپاک چیز کا حصہ ہے۔

بعض مالکیہ نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر ناپاکی کو زبردست طریقہ پر جلائے تب تو اسکی راکھ پاک ہے ورنہ ناپاک ہے۔

حنفیہ اور جمہور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک اسکی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی کیونکہ بعض حضرات کے نزدیک نماز جنازہ درست ہونے کیلئے میت کو غسل دینا شرط اور بعض کے نزدیک پوری نعش یا اسکے اکثر حصہ کی موجودگی شرط ہے، جب اسے غسل دینا اور تیمم کرانا ناممکن ہو گیا تو شرط مفقود ہونیکی وجہ سے نماز جنازہ نہیں پڑھی جائیگی۔ (مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی۔۱،۳۱۹)

تابوت میں دفن کرنا میت کو بالاجماع مکروہ ہے اسلئے کہ یہ بدعت ہے اس بارے میں میت کی وصیت نافذ نہیں کی جائیگی، مصلحت کی بناء پر ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے مثلاً جلی ہوئی میت کو تابوت میں رکھنا ضرورتا ہے۔ (ابن عابدین۔۲، ۲۳۴) (الموسوعہ الفقہیہ ج ۲ ص ۱۹۸)

جذامی کی لاش کو جلانا جائز نہیں

جذامی کی لاش جلانا جائز نہیں اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے۔ اور یہ حکم شرعا نہیں ہے بلکہ دیگر امواتِ اہلِ اسلام کی طرح اس کو بھی دفن کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی لاش کا جلانا درست نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۲۷۰۔۲۷۱)

ہندو مسلم کی لاشیں جل کر کوئلہ بن گئی، اب نماز جنازہ کس طرح پڑھا جائے؟

سوال:...... کسی نے آگ لگادی دونوں آگ میں جل گئے یعنی کھال گل گئی اور ڈھانچہ پڑا رہا،

کچھ دنوں کے بعد وہ دونوں ڈھانچے نکالے گئے ان دونوں میں کس طرح تمیز کی جائے گی؟

الجواب :۔صورت مسئلہ میں دونوں لاشوں کو کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا، نہ ان کو غسل دیا جائے گا اور نہ نماز پڑھی جائے گی۔

"الا تری ان العظام لا یصلی علیھا بالاجماع "(بدائع الصنائع ۲۔۲۹

زکریا، بحوالہ کتاب النوازل ج ۶ ص ۱۲۰)

کسی نعش کی ہڈیوں پر بالاجماع نماز جنازہ نہیں پڑھا جائیگا

پرائی چیزوں کو جلانے کا تاوان

علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع، کتاب الغصب، فصل فی شرائط وجوب الضمانؒ میں لکھا ہے کہ:

اگر کسی ایک آدمی نے کسی کی دروازے کو جلایا اور اس پر تصاویر کندہ تھے تو اس آدمی پر نفس دروازے کی قیمت لازم آئے گی اور تصاویر کی تاوان لازم نہیں ہوگی۔

۲)اور اگر مالک نے دروازہ سے تصویر کی سروں کو مٹایا ہو تو پھر دونوں کی تاوان لازم آتی ہے۔

۳)اور اگر بستر پر تصاویر بنی ہوئی تھی اور ایک آدمی نے اس کو جلایا تو بستر اور تصاویر دونوں کی تاوان لازم آتی ہے۔ کیونکہ بستر پر تصویر ممنوع نہیں ہے اس لئے کہ بستر پامال ہو جاتا ہے تو اس میں بنا ہوا نقش ونگار قابل قیمت ہے۔(البدائع الصنائع ج ۱۰ ص ۱۷)

کاروکاری (قتل غیرت) کی رسم

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کی نظر میں زنا ایک انتہائی قبیح اور گھناؤنا فعل ہے اور اس کی سزا بھی انتہائی سخت ہے، لیکن اسے ثابت کرنے کے لئے بھی پورا نظام ہے۔اس نظام کے تمام مراحل کے پایہ تکمیل ہونے تک ملزم کو مجرم نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ذیل میں اس نظام کے بارے میں مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔

اس میں مرد اور عورت کو مندرجہ ذیل سزائیں دیتے ہیں۔(۱) بغیر کفن کے دفن کرنا (۲) فائرنگ

کرنا(۳)دونوں کی لاش دریا میں بہادیجاتی ہیں(۴)بغیر غسل ،کفن،جنازہ قبر بس ایک گڑھا کھود کر دفن کر دینا(۵)زندہ جلانا(۶)مرنے کے بعد ننگا کر کے جلانا(۷)یا دور کسی پہاڑ وغیرہ میں پھینک دئے جاتے ہیں، بلکہ زبردست قسم کے سزاؤں سے سامنا پڑتا ہے۔(خلاصہ،تحقیقات اسلامی علی گڑھ سہ ماہی اپریل ۲۰۰۹)

جلانے کی ناقابل تصور سزائیں

انسانوں کے خلاف انسانوں کی وحشت وبہیمت کے مظاہروں کی حولناک تر مثالیں ان سزاوں کے سوا کوئی نہیں ہوسکتی، جو اٹھارویں صدیں کے وسط میں یورپ کے اندر رائج تھیں۔جن نا قابل تصور حالات نے ایک نوجوان اطالوی مارشیر بکاریا کومشہور کتاب جرائم وتعزیرات مرتب کرنے پر آمادہ کیا،وہ ازمنہ مظلمہ کا ایک چربہ اور دور دہشت کا ایک نقشہ معلوم ہوتے تھے۔ وقت کے مجموعے ہائے تعزیرات میں ایسی دفعات بھی شامل تھی،جن کی رو سے کسی پر خفیہ الزام لگائے جاسکتے تھے۔ملزموں کے لئے دفاع کی کوئی معقول گنجائش نہیں چھوڑی گئی تھی۔وحشیانہ قسم کی اذیتیں پہنچائی جاتیں۔بے شمار چھوٹے چھوٹے جرموں کے لئے موت کی سزائیں مقرر تھی یا بیدلگائیں جاتے،داغ دئے جاتے،اعضاء کاٹے جاتے۔مثلاً انگلستان کی پارلمنٹ نے ایک سو ساٹھ مختلف جرموں کے لئے موت کی سزائیں تجویز کر رکھی تھی۔فرانس میں ہاتھ قطع کرنے، زبان کاٹ لینے یا آگ میں جلا دینے کی سزائیں رائج تھیں۔(دنیا کی عظیم کتابیں رابرٹ بی۔ڈاونز ترجمہ غلام رسول مہر ص ۲۸۵۔)

جلانے کے ذریعے قصاص لینے کا حکم

شافعیہ کا مذہب، مالکیہ کا مشہور قول اور حنابلہ کی ایک روایت ہے کہ قاتل اسی چیز سے قتل کیا جائیگا جس چیز سے اس نے قتل کیا تھا،خواہ وہ آگ ہی ہو،اور آگ کے ذریعے قصاص لینا اس حدیث سے مستثنیٰ ہوگا جس میں آگ کے ذریعے قصاص لینا یا آگ کے ذریعے سزا دینے سے روکا گیا

ہےاس بارے میں ان حضرات نے درجہ ذیل آیات اوراحادیث سے استدلال کیا ہے۔{وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به} (سورہ نحل،۱۲۶)اور اگر تم لوگ بدلہ لینا چاہو تو انہیں اتنا ہی دکھ پہنچاؤ جتنا دکھ انہوں نے تمہیں پہنچایا ہے۔

{فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم }(سورہ بقرہ،۱۹۴)

توجوکوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اسپر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

بیہقی اور بزار نے حضرت براء؄ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔"من حرق حرقناه" جس نے جلایا ہم بھی اسکو جلائیں گے۔

حنفیہ کا مسلک، مالکیہ کا غیر مشہور قول اور حنابلہ کا معتمد قول یہ ہے کہ قصاص تلوار ہی کے ذریعے لیا جائیگا خواہ قاتل نے کسی بھی چیز سے قتل کیا ہو۔ اگر مقتول کے ورثاء نے آگ میں ڈال کر قصاص لیا تو انہیں تعزیر کی جائیں گی، ان حضرات کا استدلال نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا"لا قود الا بالسیف" قصاص تلوار ہی کے ذریعے لیا جائیگا اسکی روایت ابن ماجہ، بزار، طحاوی، طبرانی، بیہقی نے مختلف الفاظ کیساتھ کی ہے۔

مالک کا اپنے غلام کو آگ سے سزا دینے کا حکم

آقا اپنے غلام کو آگ سے جلا دینے کی صورت میں علماء کی رائے مختلف ہیں، اکثر کی رائے یہ ہے کہ اسکی وجہ سے غلام آزاد نہیں ہوگا، امام مالک، اوزاعی، اور لیث اس عمل کیوجہ سے غلام کی آزادی کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں، کہ اسکا ولاء اسکے آقا کو ملے گا اور سلطان اسے اس فعل پر سزا دیگا۔ ان حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کیا ہے اسکی تخریج امام مالک نے موطاء میں کی ہے الفاظ یہ ہیں:

"إن وليدة اتت عمر، وقد ضربها سيدها بنار فاصابها بها فاعتقها عليه"

ایک باندی حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی جسے اسکے آقا نے آگ سے مارا تھا، اس باندی کو سیدنا عمر نے آزاد قرار دیا اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے۔(نیل الاوطار۔۲۰۷، ۲۰۵، ۶)۔

جلانے سے خون کا اثر ختم ہوتا ہے

التجنیس والمزید میں ہے:

"رجل احرق رأس شاةٍ، و كان ملطخاً بالدم، فلم يغسله، واتخذ منه المرقة، فان زال عنه الدم بإحراقه بالنار جازء لانه حينئذٍ يصير الإحراق كالغسل۔ قال الفقيه ابو الليث في "النوازل" (ص ۱۰) في "باب الطهارات": سئل ابو القاسم عن رجل احرق رأس الشاة و كان متلطخاً بالدم، فلم يغسله، واتخذ منه المرقة، أيفسد المرقة؟ قال: إذا زال عنه الدم، فلا يبالي أن أحرقه بالنار لم يحرقه" (كتاب التجنيس والمزيد۔ مسألة (۲۴۷) ج۔ ۱۔ ص۔ ۲۸۵)۔

ترجمہ۔ایک ادمی نے بکری کا سر جو خون آلود تھا بغیر دھوئے جلایا اور اس سے شوربا بنایا اگر خون جلنے سے ختم ہو گیا تو یہ جائز ہے کیونکہ جلانا دھونے کی طرح ہے۔

لاشوں کو جلانے کے بارے میں بائبل کی تعلیمات

سوال:۔ لاشوں کو جلانے کے بارے میں بائبل کے کیا تعلیمات ہیں؟ کیا مسیحی لاشوں کو جلانا چاہئے؟

جواب:۔ بائبل کی تعلیمات میں اس کا حکم معلوم نہ ہوسکا۔ البتہ عہد عتیق میں لوگوں کو زندہ جلا کر مارنے (ایک سلاطین ۱۸، ۱۶، ۲ سلاطین ۶، ۲۱) اور انسانی ہڈیوں کو جلانے کے واقعات موجود

ہیں۔(۲ سلاطین ۱۶، ۲۳، ۲۰) لیکن یہ واقعات لاشوں کو جلانے کی مثالیں نہیں ہیں۔ اس بات پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ۲ سلاطین ۱۶، ۲۳، ۲۰) میں مذبح پر انسانی ہڈیاں جلا کر مذبح کو ناپاک کیا گیا۔ دوسری جانب اہل عتیق میں کہیں کوئی حکم نہیں ملتا، جہاں مردہ شخص کو نہ جلانے کا حکم دیا گیا ہو، نہیں جلائے جانے والے شخص کو کسی لعنت یا عدالت سے منسلک کیا گیا ہے۔ بائبل کے دور میں لاشوں کو جلایا جاتا تھا لیکن اسرائیلوں نے عہد نامہ کے مقدسین نے اس پر عمل نہیں کیا، بائبل کے دور کی تہذیبوں میں لاشوں کو قبر غار یا زمین کے اندر دفن کرنا عام تھا۔
(پیدائش ۱۹، ۲۳، ۱۹۔ ۳۵)

۲ تواریخ ۱۴: ۱۶: متی ۲۷: ۶۰: ۶۶) اگر چہ لاشوں کو دفن کرنا عام رواج تھا، لیکن بائبل کہیں بھی حکم نہیں دیتی کہ لاشوں کو دفن کرنا ہی واحد جائز طریقہ کار ہے،

سوال: کیا مسیحی لاشوں کو جلا سکتے ہیں؟

جواب: ۔جیسا کہ پہلے بھی کہ چکے ہیں کہ لاشوں کو جلانے کے بارے میں بائبل میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے۔ بہت سے ایماندار اس بنیاد پر لاشوں کو جلانے پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ایک دن خدا ہمارے جسموں کو زندہ کرے گا اور اسے ہمارے روحوں کے ساتھ یکجا کرے گا، (۱ کرنتھیوں ۱۵: ۳۵: ۱۵: ۵۸: ۱ تھسلنیکیوں ۱۶: ۴)

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ جلائی گئی لاش کو زندہ کرنا خدا کے لئے مشکل نہیں ہے، ہزاروں سال پہلے مسیحی ایمانداروں کے جسم اب تک مکمل طور پر خاک بن گئے ہے۔ اس کا ہرگز مطلب نہیں کہ خدا کو ان جسموں کو زندہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر وہ انہیں پہلے پہل تخلیق کر سکتا ہے تو اس کے لئے انہیں از سر نو تخلیق کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ مردوں کو جلانا لاشوں کو جلدی سے راکھ میں تبدیل کرنے کی عمل کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ خدا دفن کئے گئے مردوں اور جلائے گئے مردوں دونوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ لاش کو دفن کرنے یا جلانے کا سوال مسیحی آزادی کے دائرہ میں آتا ہے، اس مسئلے

پر غور کرنے والے کسی شخص یا خاندان کو حکمت کے لئے خدا سے دعا کرنی چاہئے۔(یعقوب ۱:۵)اور نتیجے میں جیسے اس کو قابلیت ملتی ہے اس کی پیروی کرنی چاہیئے۔

جلانے سے نجاست کا اثر ختم ہوتا ہے

مجمع الانھر میں ہے:

'قالوا اذا تنجس التنور یطھر بالنار حتی لایتنجس الخبز"(مجمع الانھر ج ۲ ص ۷۳۴۔)

ترجمہ: جب تنور ناپاک ہوجائے تو آگ جلانے کی وجہ سے پاک ہوجاتا ہے یہاں تک کہ روٹی ناپاک نہیں ہوجاتا ہے۔

آگ لگنے کی صورت میں حفاظت کی خاطر قرآن پاک کو بے وضوء اُٹھانے کا حکم

اگر کسی جگہ آگ لگ جائے اور وہاں قرآن مجید ہوں تو بے وضوء اٹھانا درست ہے۔(الفقہ الاسلامی ج ۱ ص ۲۲۶۔ملحق الاذان لغیر الصلوۃ۔الفقہ الاسلامی ج ۱ ص ۷۲۰)

نماز کی خبر دینے کیلئے آگ جلانے کی تجویز

"عن انس قال ذکر النار والناقوس فذکروا الیھود والنصاریٰ فامر بلال"۔۔۔(بخاری شریف حدیث نمبر ۶۰۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنھم نے (آذان کی مشروعیت سے پہلے نماز کے وقت کا اعلان کرنے کے سلسلے میں) آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور یہاں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور مسجد بنائی گئی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ نماز کے وقت اعلان کے لئے

کوئی ایسی چیز متعین کی جانی چاہیے جس کے ذریعے تمام لوگوں کو اوقات نماز کی اطلاع ہو جایا کرے تاکہ سب لوگ وقت پر مسجد میں حاضر ہو جائے اور جماعت سے نماز ہو سکے چنانچہ بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ نماز کے وقت کسی بلند جگہ پر آگ روشن کر دی جائے تاکہ اسے دیکھ کر لوگ مسجد میں جمع ہو جائے بعضوں کی رائے ہوئی کہ ناقوس بجانا چاہیے تاکہ اس کی آواز سن کر لوگ مسجد میں حاضر ہو جائیں۔

چند صاحب رائے صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین نے ان تجویزوں کے سلسلے میں عرض کیا کہ آگ تو یہودی اپنی عبادت کے وقت اعلان کے لئے روشن کرتے ہیں، اسی طرح ناقوس نصاریٰ اپنی عبادت کے وقت اعلان کے لئے بجاتے ہیں، لہذا اس میں یہ دونوں طریقے اختیار نہ کرنے چاہیئے تاکہ یہود ونصاریٰ کی مشابہت لازم نہ آئے، لہذا ان کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ سوچنا چاہیئے۔ (مظاہر حق ج۱ ص ۴۶۰۔)

]فقالوا لو اتخذنا ناقوسا، فقال رسول اللہ ﷺ ذاک للنصاریٰ فقالوا: لو اتخذنا بوقا، فقال: ذاک للیھود۔ فقالوا: لو رفعنا نارا، فقال: ذاک للمجوس[فتح الباری ج۲ ص ۱۰۱)

ترجمہ: لوگوں نے کہا: کاش! ہم ناقوس بنالیں! یعنی ایک بڑی لکڑی پر چھوٹی لکڑی مارتے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے پھر انہوںؓ نے کہا: ہم بگل (بھونپو) بنالیں، آپ نے فرمایا: یہ یہود کا طریقہ ہے لوگوں نے کہا: پھر ہم کسی بلند جگہ پر آگ جلادیں! آپ نے فرمایا: یہ مجوس کا طریقہ ہے۔

ہیٹر، چھولے، تندور وغیرہ کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم

البنایہ میں بحوالہ محیط نقل کیا ہے کہ چراغ، فانوس یا موم بتی کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

مکروہ نہیں۔اگرایسی تندور یا انگیٹھی (ہیٹرچھولہ) کے سامنے کھڑا ہوجس میں آگ بھڑکتی ہوتو نماز مکروہ ہے کیونکہ یہ عبادت کے مشابہ ہے اور یہ مجوس کا فعل ہے۔کیونکہ وہ صرف بھڑکتی ہوئی آگ کی عبادت کرتے ہیں۔اور ذخیرہ میں ہے [پھر بعض مشائخ نے اس میں فرق نہیں کیا ہے کہ تندور کھلے منہ والا ہو اس حال میں کہ اگ بھڑکتی ہو جبکہ بعض نے فرق کیا ہے۔اور مغنی میں ہے کہ تندور کے سامنے نماز نہ پڑھی جائے۔کیونکہ یہ مکروہ ہے۔اور ابن بطان نے ابن عباس رضی اللہ عنھما کی اس روایت جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے روایت کی ہے کہ سورج گرہن ہوتو نبی ﷺ نے نماز پڑھی پھر فرمایا مجھے آگ دکھائی گئی تو آگ جیسا قبیح منظر کبھی نہیں دیکھا۔ پس معبودات وغیرہ کا (نماز پڑھنے والے کے) سامنے ہونا اس کو کوئی نقصان نہیں دیتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی طرف جو کچھ دیکھا اس سے (نماز میں) کچھ نقصان نہیں ہوا۔اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے مصلی کا آک کے سامنے کھڑے ہونے کی عدم کراہت پر استدلال کیا ہے۔کیونکہ نبی ﷺ مکروہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔میں کہتا ہو (صاحب بنایہ)

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے عدم کراہت پر استدلال کرنا کئی وجوہ سے صحیح نہیں۔

۱)۔حضور ﷺ کے فرمان ''مجھے آگ دکھائی گئی'' سے یہ لازم نہیں آتا کہ آگ آپ کے سامنے تھی بلکہ ہوسکتا ہے کہ دائیں طرف ہو یا بائیں طرف یا پیچھے۔

۲)۔شاید حضور ﷺ نے اسے جہنم میں دیکھا ہو اور آپ کے اور جہنم کے درمیان انتہائی درجہ کے بعد اور مسافت ہے پس نماز مکروہ نہیں ہوتی۔

۳)۔مکروہ تو اس آگ کا سامنا ہونا ہے جو کسی نے بھڑکا ہو یا بھڑکائی ہو اور آخرت کی آگ یہاں نہیں۔

۴)۔کہ اس آگ کا دکھانا نماز کے شروع کرنے کے بعد تھا۔پس آگ کا سامنے ہونا سرے سے مقصود نہیں۔البنایہ فی الشرح ہدایہ ج ۲ ص ۴۵۹

جنگلوں میں آگ لگانے کا حکم

جنگلاتی آگ لگانا شرعی اعتبار سے اسلامی اقدار کے منافی ہے۔شرعی حکم کے ساتھ جنگلات میں آگ لگانے سے وہاں بسنے والے حیوانات،حشرات کو زندہ جلانے کے مترادف ہے۔ساتھ قیمتی لکڑیاں اور گھاس وغیرہ کو برباد کرنا ہے اور ایسی زمین جس پر درخت اُگ سکیں،خراب کرنا ہے نیز جنگلات میں آگ لگانے سے انسان کی صحت خراب اور جسم کو بیماریوں کا سامنا ہوسکتا ہے جبکہ اسلام کسی انسان کو تکلیف دینے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔(لاضرر ولاضرار فی الاسلام)

اذان کا مذاق اڑانے والا آگ میں جل مر گیا

تفسیر السراج المنیر سورۃ مائدہ آیت ۵۷ کے تحت ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اذان کے ساتھ استہزاء کی خاص طور پر نشان دہی فرمائی ہے{وَ اِذَا نَادَیتُم اِلی الصلوۃِ}جب تم نماز کیلئے پکارتے ہو یعنی اذان دیتے ہو{اتخذوھا ھزوا و لَعِبا}تو یہ لوگ اسے مزاق اور کھیل بناتے ہیں،روایت میں آتا ہے کہ مدینہ کے ایک نصرانی کو اذان سے بہت چڑھی،جس وقت مؤذن کہتا ''اَشھد اَن محمد رسول اللّٰہ'' تو وہ بدبخت بددعا کرتا ''اَحرق اللّٰہ الکاذب'' اللہ جھوٹے شخص کو جلادے جھوٹا تو وہ خود تھا،اللہ نے اس کی دعا اس طرح قبول کی کہ ایک دن اس کی لونڈی نے گھر میں آگ لائی اس کی چنگاری کسی چیز پر گر گئی،جس سے سارے مکان کو آگ لگ گئی اور وہ عیسائی وہیں جل کر راکھ ہو گیا،اللہ نے اسے گستاخی کی سزا دے دی۔(سلف صالحین کے ایمان افروز واقعات ص ۶۱)

آگ لگنے کے موقع میں آزان دینا سنت ہے

مندرجہ ذیل مواقع میں اذان سنت ہے(۱)فرض نماز کے وقت(۲)بوقت ولادت بچہ کے کان میں(۳)آگ لگنے کے وقت(۴)کفار سے جنگ کے وقت(۵)مسافر کو جب شیطان ظاہر ہوکر ڈرائیں(۶)غم کے وقت(۷)غضب کے وقت(۸)جب مسافر راستہ بھول جائے

(۹) جب کسی آدمی یا جانور کی بد خلقی ظاہر ہو تو اس کے کان میں (۱۰) اور جب کسی کو مرگی آئے۔ (المسائل المہمہ ج۶ ص۴۸۔)

قبرستان میں آگ جلانے کے احکام

قبرستان میں آگ جلانا مکروہ ہے۔ عمرو بن العاصؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے قریب بہ مرگ اپنے صاحبزادے سے کہا کہ جب میری موت ہو تو کسی نوحہ خواں کو اور آگ کو ساتھ نہ لانا، اس سے استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے قبر پر آگ جلانے کو منع کیا ہے، فقہاء حنفیہ میں علامہ طحطاوی وغیرہ نے تو صراحت کی ہے کہ قبر میں آگ میں پکی ہوئی اینٹ بھی استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ (شرح طحطاوی ص۳۵۶)

قال ابراھیم النخعی: اکرہ ان یکون آخر زادہ من الدنیا نارا، ولان ھذا فعل اھل الکتاب فیکرہ التشبہ بھم (بذل المجھود ص ۹۲ ج۱۴۔) سنن ابی داود حدیث نمبر ۳۱۷۱۔ (بحوالہ کتاب الفتاوی ج۳ ص ۲۳۶۔)

قبروں کے پاس آگ جلانا اسی طرح چراغاں کرنا جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

(لعن اللہ الزائرات القبور والمتخذین علیھا السرج) [الحدیث]

اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اور قبروں پر چراغاں کرنے والوں کو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

قبرستان میں اگر کوئی واضح مصلحت ہو مثلاً رات میں میت دفن کرنا تو روشنی کرنا جائز ہے۔ (حاشیہ ابن عابدین۔۲، ۳۴۷۔ البدائع۔۹، ۲۲۰) (الموسوعہ الفقہیہ ج۲ ص۲۰۰)

مساجد میں آگ جلانے کا حکم

کسی مصلحت اور ضرورت کے بغیر مسجد میں آگ جلانا مکروہ ہے اور ضرورت اور مصلحت کیلئے جائز

ہے، مثلاً دھونی سلگانا۔ چراغ جلانا۔ گرمی حاصل کرنا کیونکہ ضرورت اور مصلحت کے بغیر آگ جلانا آتش پرستوں کیساتھ مشابہت ہو جائیگی ایسی صورت میں یہ عمل حرام ہوگا۔

تعویذ جلا کر ان کا دھواں لینا

ایسے تعویذ جن میں قرآن کریم کی کوئی آیت یا اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسم جلالہ درج ہو، ان کو کسی عامل کے بقول تاثیر کی غرض سے جلا کر ادب اور احترام کے خلاف ہے۔ کتب فقہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔ کہ جب قرآن حکیم بوسیدہ ہو جائے اور پڑھنے کے قابل نہ رہے، تو اسے کسی محفوظ اور پاک جگہ دفن کر دیا جائے نہ یہ کہ اس کے اوراق کو جلا دیا جائے، (الفتاوی الھندیہ ج۵ ص ۳۲۳)

جب بوسیدہ ہو جانے کے باوجود قرآن حکیم کا احترام برقرار ہے، اور اسے جلانا ممنوع ہے تو صحیح وسالم ہونے کی صورت میں (خواہ وہ تعویذ یا کسی اور کاغذ پر ہی کیوں نہ ہو) جلانا کیونکر درست ہو سکتا ہو؟ لہذا قرآن حکیم کی کسی بھی آیت یا ورق کو جلانا بلا شبہ اس کے ادب واحترام کے خلاف اور ممنوع ہے۔

(انوار الفتاوی ۱۸۱۔)

سوال: اکثر اشتہارات قرآن مجید کے ایسے شائع ہوتے ہیں کہ ایک طرف اشتہار ہوتا ہے اور ایک طرف قرآن مجید کیا اس کا جلانا جائز ہے؟

جواب: اس کے جلانے میں اختلاف ہے نہ جلانا بہتر ہے اور جلانے کی صورت میں اس کی خاکستر بنا بر قاعدہ قلب ماہیت کے واجب الاحترام تو نہیں۔ لیکن اگر اس کو جدا گانہ کسی ظرف میں جلا کر اس خاکستر کو پانی میں گھول کر دریا میں بہا دیا جائے تو اور بھی زیادہ اقرب الی الادب ہے۔

(بتغیر امداد الفتاوی ج۴ ص۵۶)

انبیاءؑ کی فرضی بنائی ہوئی تصویر کا حکم

فتاوی عثمانی میں ہے کہ کسی جاندار کی تصویر بنانا بذات خود ایک ناجائز کام ہے، بالخصوص کسی پیغمبر کی خیالی تصویر بنانا تو انتہائی درجے کی بے ادبی ہے، اگر یہ کپڑے موجود ہو تو اس کی سپلائی روک کر ان کی تصاویر کو مٹائیں اور اگر مٹ نہ سکیں تو جلا دیں۔ (بتغیر فتاوی عثمانی ج ۱ ص ۵۷)

پتلا جلانے کا حکم

نوادر الفقہ میں ہے کہ جہاں تک پتلے جلانے کا معاملہ ہے، تو اسے ہندوؤں کی رسم کی سرپرستی کہنا تو اس لیئے مشکل ہے، کہ وہ مردہ کو اپنی مذہبی رسم کی بناء پر جلاتے ہیں۔ جس کا مقصد بظاہر اس مردہ کی تکریم ہے، جیسا کہ ہمارے ہاں تدفین ہے، برخلاف پتلے کو جلانے کے کہ اسے مذہبی رسم کے طور پر جلایا نہیں جاتا اور نہ اس کا مقصد اس پتلے کی تکریم ہوتی ہے۔ بلکہ یہاں تو اس عمل کا منشاء اس شخص سے نفرت ہے، جس کا پتلا جلایا جا رہا ہے، البتہ اس عمل کے شرعاً عدم جواز کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے، کہ اس پتلے کے جلانے کے تین یا ان میں سے ایک مقصد ہوسکتا ہے۔

نمبر:۱۔ یا تو اس عمل سے اس عزم کا اظہار ہے کہ جس شخص کا یہ پتلا ہے کہ اگر وہ شخص ہمارے ہاتھ آ گیا، تو ہم اسکو اس طرح جلائیں گے۔

نمبر:۲۔ یا اس تمنّا کا اظہار ہے کہ جس شخص کا یہ پتلا ہے اگر چہ ہم اس کو جلا نہ سکیں، لیکن دوسرے لوگ اس کو جلائیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس عزم اس تمنّا کا شرعی حکم کیا ہے؟ تو اس میں یہ بات واضح رہنی ضروری ہے کہ احادیث مبارکہ میں کسی جاندار کو سزا دینے کی ممانعت آئی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے "وان النار لا یعذب بھا الا اللہ"

"اور آگ کے ذریعہ سزا صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے"

ایک اور جگہ ارشاد ہے: (لا تعذبوا بعذاب اللہ)

"جو عذاب اللہ کے ساتھ خاص ہے، وہ کسی کو نہ دو"

تو جب کسی جاندار کوخواہ وہ کافر کیوں نہ ہو، جلانے کی سزا دینا شرعاً جائز نہیں، تو اس ناجائز کام کی نیت یا تمنا کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

نمبر ۳: پتلا جلانے کا ایک مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ محض اس سے نفرت کا اظہار ہو، اسے زندہ جلانے کے ارادے یا تمنا کا اظہار مقصود نہ ہو، مگر نفرت کا یہ اظہار چونکہ ایک ایسے عمل سے کیا جاتا ہے، جو ایک ناجائز عمل (آدمی کو جلانے) کی تمثیل ہے۔ لہذا یہ بھی ناجائز ہوگا، کیونکہ ناجائز عمل کی تمثیل بھی شرعاً ناجائز ہے۔ (نوادر الفقہ ج:۲ ص ۱۹۸، ۱۹۹)

جنازہ کے پیچھے آگ لیکر چلنے کا حکم

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انگھیٹی یا کسی اور چیز میں آگ لیکر جنازہ کے پیچھے چلنا مکروہ ہے ،خواہ دھونی دینے کیلئے ایسا کیا جارہا ہو، اسی طرح میت کیساتھ آگ رکھنا مکروہ ہے، اس کراہت کی دلیل آنے والی حدیث میں ہے۔ ابن منذر وغیرہ نے کراہت پر اجماع نقل کیا ہے، کیونکہ یہ دور جاہلیت کا عمل ہے جسے نبی ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور اس سے روکا ہے، ایک روایت میں ہے:

'انہ خرج فی جنازۃ فرای امرأۃ فی یدھا مجمر، فصاح علیھا و طردھا حتی توارت بالآکام" (کنز العمال۔ ۴۲۳۷، ۱۵)

رسول اللہ ﷺ ایک جنازے کیساتھ نکلے دیکھا کہ ایک عورت کے ہاتھ میں انگھیٹی ہے رسول اکرم ﷺ نے اسے ڈانٹ کر بھگایا تو وہ ٹیلوں کے پیچھے جا کر چھپ گئی، ابوداؤد نے اپنی سند کیساتھ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''لاتتبع الجنازۃ بصوت ولا بنار'' جنازہ کے پیچھے نہ آواز کی جائے نہ آگ لیکر چلا جائے۔ بہت سے صحابہ کرام نے وصیت کی کہ انکی وفات کے بعد انکے پیچھے آگ لیکر نہ چلا جائے ایسی وصیت کرنیوالے صحابہ

میں سے حضرت ابوھریرہؓ ،عائشہؓ ،عمرو بن العاصؓ ہیں۔(المدونہ۔ا،۱۸۰)

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ جب ابوموسیٰ اشعریؓ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے فرمایا:

۔"لاتتبعونی بمجمر، قالوا له: او سمعت فيه شيا؟ قال: نعم من رسول الله ﷺ"۔

(میرے پیچھے انگھیٹی لیکر نہ چلنا، لوگوں نے عرض کیا: کیا آپ نے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے۔

اگر میت کو رات میں دفن کیا جائے، اسلئے روشنی کی ضرورت ہو تو میت کے پیچھے روشنی لیکر چلنے میں حرج نہیں، کراہت اس انگھیٹی میں ہے جسمیں خوشبو سلگائی جائے۔(حاشیہ ابن عابدین ۔ج ۲،ص ۲۳۷۔البدائع۔ج ا،ص ۳۱۰)(الموسوعہ الفقہیہ ج ۲ ص ۲۰۰۔)

کس چیز کو جلانے پر ضمان ہے اور کس پر نہیں؟

کسی شخص نے اپنی زمین میں یا اپنی ملکیت میں یا اپنی بنجر زمین میں جسے اس نے اپنے لئے مخصوص کرلیا ہے، یا اس جگہ میں جس سے نفع اٹھانے کا اسے حق ہے آگ جلائی اس سے ایک چنگاری اڑ کر پڑوسی کے گھر پہنچ گئی، جس سے اسکا گھر جل گیا تو اگر آگ اسطرح جلائی تھی، جس طرح جلانے سے آگ دوسرے کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتی تو آگ جلانے والا ضامن نہیں ہوگا۔

راستہ میں آگ کی چنگاری چھوڑنے سے کسی چیز کے جل جانے کے تاوان کا حکم

جمرة في الطريق فاحترقت شيئا ضمن"

ترجمہ: اگر راستہ میں چنگاری رکھ دی اور اس سے کوئی جل گیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اگرچہ جلانے کا ارادہ نہیں تھا، لیکن اس اثر ونتیجہ سے واقف تھا تب بھی وہ

اس کا ضامن ہوگا۔اس لئے کہ انسان کی ضرر کا باعث بنے تو اس کے اسباب ومحرکات کچھ بھی ہوں۔نقصان کی تلافی اس کی ذمہ داری ہے۔(تبیین الحقائق ج۵ ص۱۴۷)

قبرستان میں سوکھی گھاس جلانے کا حکم

جب قبرستان میں آگ لے جا کر جانے کی ممانعت ہے تو قبروں کے اوپر کی گھاس وغیرہ جلانے کی اجازت کس طرح ہوسکتی ہے صفائی کے لئے دوسری تدبیر عمل میں لائی جائے۔(فتاوی رحیمیہ ج۷ ص۱۲۴)

حالت احرام میں بالوں کو جلانا

بال مونڈنا، کترنا، اکھاڑنا، نورہ، بال صفا سے دور کرنا، جلانا سب کا ایک حکم ہے جزاء میں کچھ فرق نہیں، (معلم الحجاج ص۱۵۴)

اگر محرم کے کچھ بال روٹی پکاتے ہوئے جل گئے تو اس کے لئے صدقہ دے اور مرض کی وجہ سے بال جھڑ گئے یا اس کے فعل کے بغیر کسی طرح سے گر گئے مثلا سوتے ہوئے آگ سے جل گئے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے کیونکہ یہ زینت نہیں بلکہ عیب ہے۔کذا فی المحیط۔آگ کی وجہ سے بال جلنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا ہے بشرطیکہ آگ لگنے میں اپنا عمل دخل نہ ہو۔(احکام الحجاج ص ۲۷۸ بحوالہ غنیۃ الناسک ص۱۳۸)

بخلاف اس صورت کے جس میں محرم کے اپنی فعل سے بال گرے یا زائل ہوئے ہوں مثلا روٹی یا سالن وغیرہ پکاتے ہوئے جل گئے ہوں کہ اس صورت میں محرم کی طرف سے سبب پایا گیا ہے اور محیط میں ہے کہ اگر غلام نے احرام کی حالت میں روٹی پکائی اور تنور میں اس کے ہاتھ کے کچھ بال جل گئے تو اس پر واجب ہے کہ آزاد ہونے کے بعد صدقہ دیں۔اور اگر اس کے پورے ہاتھ کے بال جل گئے تو قیاس یہ ہے کہ اس پر دم واجب ہوگا۔اور وہ دم آزاد ہوجانے کے بعد ادا کرنا

واجب ہوگا۔لیکن اگر عذر کی وجہ سے ایسا ہوا تو اس پر اسی وقت (غلام کی حالت ہی میں) روزہ رکھنا متعین ہو جائے گا۔

(اس سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جسم کے کسی بھی حصہ سے تین بال یا اس سے کم اگر محرم کے ایسے فعل سے گرے جس کے لئے وہ مامور ہے جیسے وضو کرنا وغیرہ تو تین بال یا کم میں ایک مٹھی گندم صدقہ کرے اور اگر ایسے فعل سے گریں جس کا حالت احرام میں منع کرنا ہے تو تین بال تک ہر بال کے عوض ایک مٹھی گندم صدقہ کرے اور چار بال یا اس سے زیادہ گرنے کی صورت میں سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں چوتھائی حصہ سے کم تک صدقہ فطر کی مقدار یعنی نصف صاع گندم صدقہ کرے اور چوتھائی حصہ یا زیادہ یا سارے سر یا ڈاڑھی کے بالوں کے حلق یا قصر وغیرہ کرانے پر دم واجب ہوگا،سر اور ڈاڑھی کے علاوہ باقی جسم کے کسی حصہ کے بال دور کئے اگر وہ عضو ایسا ہے کہ عادۃ اس کے بال دور کئے جاتے ہیں تو چار بال یا اس سے زیادہ دور کئے لیکن وہ پورے عضو سے کم ہیں تو اس پر صدقہ فطر کی مقدار صدقہ واجب ہوگا اور پورے عضو کے بال دور کرنے پر دم واجب ہوگا اور اگر وہ عضو ایسا ہے کہ عادۃ اس کے بال دور نہیں کئے جاتے جیسے سینہ یا پنڈلی یا بازو وغیرہ تو چار بال یا زیادہ حتیٰ کہ پورے عضو کے بال دور کرنے پر بھی صدقہ ہی واجب ہوگا اور اگر بال محرم کے فعل کے بغیر از خود گریں تو کچھ واجب نہیں ہوگا (عمدۃ الفقہ کتاب الحج ج ۴ ص ۵۰۴)

دارالحرب میں دشمن کی زمینوں کو جلانے کا حکم

جن نصوص سے دشمن کی سرزمین کو جلا ڈالنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اُن کو محدثین حضرات نے مختلف عنوانات کے ساتھ موسوم کیا جیسے سنن ابی داودؒ میں اس باب کا عنوان ہے: ’’دشمن کی سرزمین کو آگ لگانا‘‘، ترمذی شریف کے باب کا عنوان ہے: ’’جلانا اور تباہ برباد کرنا‘‘ ابن ماجہؒ کے باب کا عنوان ہے: ’’دشمن کی سرزمین کو آگ لگانا‘‘ اور امام بیہقیؒ نے یہ حدیث اس

باب کے تحت ذکر کی ہی: ''درخت کاٹنا اور عمارتوں کو آگ لگانا''۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے۔

''حَرَّقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ نَخلَ بَنِی النَّظِیْرِ وَ قَطَعَ''(صحیح البخاری: کتاب المغازی، باب حدیث بنی النظیر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے بنونظیر کے کھجور کے درخت جلا دیئے اور انہیں کاٹ ڈالا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اسی واقع کے متعلق نازل ہوا تھا:

{مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ} (الحشر: ۵)

ترجمہ: تم نے کھجور کے درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا یہ سب اللہ کے اذن سے تھا۔ صحیحین کی بعض روایات میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ جلائی جانے والی زمین کا نام ''البویرۃ'' تھا۔ اسی حوالے سے حضرت حسّان بن ثابتؓ نے یہ شعر کہا ہے:

فھان علی سراۃ بنی لؤی حریق علی بالبویرۃ مستطیر

ترجمہ: بنی لوئی کے شرفاء کے لئے بہت آسان ہوگیا کہ وہ بویرہ میں ہر سمت آگ لگادیں۔

اسی موضوع سے متعلق ایک اور حدیث امام احمدؒ، ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ''اُبنیٰ'' یا ''یُبنیٰ'' نامی سرزمین کی طرف بھیجا اور فرمایا:

''اِئْتِهَا صَبَاحًا ثُمَّ حَرِّقْ (مسند أحمد ،مسند الأنصار، حدیث أسامة بن زید رضی اللہ عنہ حب رسول اللہ ﷺ''

ترجمہ: صبح وہاں جاؤ، پھر اسے جلا ڈالو۔

پہلی حدیث ہمیں وہ بنیادی اُصول فراہم کرتی ہے جس سے دشمن کی زمین کو جلاڈالنے کا جواز ملتا ہے۔اہل علم کے ایک گروہ نے اس حدیث کو اختیار کیا ہے، چنانچہ ان نزدیک (کفار کے) درخت کاٹنے اور قلعے تباہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔جب کہ بعض علماء نے اسے ناپسند کیا ہے، اور یہ امام اوزاعیؒ کی رائے ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یزید کو پھل دار درخت کاٹنے اور آبادیاں تباہ کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس کے بعد سے مسلمانوں نے اسی حکم پر عمل کیا۔

اس کے برعکس امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

دشمن کی سرزمین کے اندر آگ لگانے اور (ان کے) درخت کاٹ دینے میں کوئی حرج نہیں امام محمدؒ فرماتے ہیں:

عین ممکن ہے کہ بعض مواقع پر آگ لگانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو البتہ بلا وجہ آگ لگانا درست نہیں۔

اسحاقؒ فرماتے ہیں:

آگ لگانا سنت ہے۔جب ایسا دشمن کے لئے زیادہ نقصان دہ ہو۔

حافظ ابن حجرؒ حدیثِ ابن عمرؓ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

جمہور علماء دشمن کے علاقے میں آگ لگانے اور تباہی مچانے کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض علماء امام اوزاعیؒ، لیثؒ اور ابوثورؒ نے اسے ناپسند کیا ہے۔یہ حضرات حضرت ابوبکرؓ کی اُن ہدایات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن میں آپؓ نے اپنی افواج کو ایسا کرنے سے منع فرمایا تھا۔امام طبریؒ اِس رائے کے جواب میں فرماتے ہیں کہ (آگ لگانے اور مچانے کی) ممانعت سے مقصود قصداً ایسا کرنے کی ممانعت ہے۔البتہ اگر لڑائی کے دوران ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ (رسول اللہ ﷺ کے حکم سے) طائف والوں کے خلاف منجنیق کے استعمال سے ہوا۔طبریؒ

نے عورتوں اور بچوں کے قتل کے حوالے سے بھی ایسا ہی جواب دیا ہے اور اہل علم کی اکثریت کی رائے یہی ہے۔اسی طرح پانی میں ڈبو کر قتل کرنے کے حوالے سے بھی آپؒ نے ایسی ہی رائے کا اظہار کیا ہے۔ کچھ اور علماء نے (امام اوزاعیؒ وغیرہ کی رائے کو رد کرتے ہوئے) کہا ہے کہ: حضرت ابوبکرؓ نے اپنی فوجوں کو اس لئے منع فرمایا تھا کیونکہ آپؓ جان گئے تھے کی وہ علاقے عنقریب فتح ہو جائیں گے لہذا آپؓ نے چاہا کہ وہ مال صحیح سلامت مسلمانوں کے قبضے میں آجائے، واللہ اعلم (فتح الباری:۶/ ۱۵۵)

امام عینیؒ حدیث ابن عمرؓ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"حديث ابن عمر ﷺ دال على أن للمسلمين أن يكيدوا عدوهم من المشركين بكل ما فيه تضعيف شوكتهم وتوهين كيدهم وتسهيل الوصول إلى الظفر بهم من قطع ثمارهم وتغوير مياههم والتضييق عليهم بالحصار وممن أجاز ذلك الكوفيون ومالك والشافعي وأحمد واسحاق والثوري وابن القاسم وقال الكوفيون: يحرق شجرهم وتحريق بلادهم وتذبح الأنعام وتعرقب إذا لم يمكن اخراجها"

ترجمہ: حدیث ابن عمرؓ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان اپنے مشرک دشمنوں کے خلاف ہر وہ حربہ استعمال کر سکتے ہیں جس اُن کی شوکت وقوت کمزور پڑے، اُن کی چالیں ناکام ہوں اور اُن پر فتح حاصل ہو۔ مثلاً اُن کے پھل کاٹنا، اُن کے کنوئیں خشک کرنا اور محاصرے کے ذریعے انہیں تنگی میں مبتلا کرنا ۔اُحناف، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ امام ثوریؒ اور ابنِ القسم نے ایسا کرنے کی اجازت دی ہے، بلکہ احناف تو یہ بھی کہتے ہیں کہ: ان کے درخت جلائے جائیں گے اُن کے علاقے تباہ کئے جائیں گے اُن کے جانور ذبح کر دیئے جائیں گے اور اُن کی کونچیں کاٹ ڈالی جائیں گی جبکہ انہیں ساتھ

لے جانا ممکن نہ ہو۔(عمدۃ القاری: ۱۴/ ۲۷۰)

یہ حدیث اِس امر کی واضح دلیل ہے کہ اگر جنگ کا تقاضا ہو تو دشمن کے علاقے کو آگ لگانا جائز ہے۔(تلخیص کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کا شرعی حکم مترجم: شیخ ناصر بن حمد الفھد)

ترک جماعت سے گھروں جلانے کا حکم

بخاری شریف حدیث نمبر ۶۴۴ میں نقل کیا (لقد هممت ان أمر بحطب) بیشک میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں کسی شخص کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں ۔۔۔(فاحرق عليهم بيوتهم)۔پھر میں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ یہ مذہب سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے"فانہ قائل بجواز العقوبۃ بتحریق البیوت"۔وہ گھر جلانے کیساتھ عقوبت (سزا) کے قائل ہے۔

فائدہ

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور فائدہ یہ بات نقل کیا ہے۔" لقد ہممت"تقدیم الوعید والتھدید علی العقوبۃ لان المفسدۃ اذا ارتفعت بالاخف من الزواجر لم یعدل الی الاعلی۔(الحاوی للفتاوی ج ا ص ۱۱۳)

اعتراض:

اگر یہ کہا جائے کہ تحریق بالنار منسوخ ہے۔

جواب: نسخ صرف حیوانات اور انسانوں میں ہے۔کتاب السیر میں کفار کے درختوں کو جلانے کا حکم موجود ہے۔(الحاوی للفتاوی ج ا ص ۱۱۳)

تنبیہ:مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ ترکی کے بعض علاقوں میں سمندل نامی پرندہ (مزید تفصیل حیات الحیوان اردو ج ۲ ص ۲۶۴ دیکھیں"السمندل") ہوتا ہے جس کے جسم کی پشم سے کپڑا تیار کیا جاتا ہے،مگر حیران کن بات یہ ہے کہ اگر اس پرندہ کو آگ میں پھینک دیا جائے تو وہ

جلنے سے محفوظ رہتا ہے۔اور یہ آگ میں اسی طرح خوش ہوتا ہے جس طرح مچھلی پانی میں ہوتی ہے آپ شتر مرغ کو دیکھ لیں، یہ جانور جلتا ہوا کوئلہ بلکہ لوہے کا سرخ گرم گوفہ یا سلاخ نگل جاتا ہے اور اس پر کوئی منفی اثر نہیں ہوتا۔اسی طرح جہنم کی آگ میں درخت کا ہونا بھی بعید از قیاس نہیں۔جو لوگ اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے ہیں۔جب اس کی وحدانیت کے منکر ہمیشہ شک وارتیاب میں پڑے رہتے ہیں۔خدا کی قدرت عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے متعلق فلسفہ تاریخ کے امام ابن خلدون کا کہنا ہے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سنار کے نرم ونازک کانٹے پر پہاڑ کو تولنا چاہے، ایسے ہی ان واقعات کو اپنے ترازو میں تولنا نہایت بے سمجھی کی بات ہے، اگر یہ چیزیں عقل میں نہیں آتی تو اسے چھوڑ دو، اس پر ایمان لانا کافی ہے۔اسی لئے فرمایا کہ ہم نے واقعہ معراج اور تھوہر کے درخت کو لوگوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔(معالم العرفان ج ۲۱ ص ۱۷۷)

ققنس جب گاتا ہے تو اس کی چونچ میں جو سوراخ ہوتے ہیں ان سے آگ نکلتی ہیں اور ققنس جل جاتا ہے اس راکھ پر جب بارش کا پانی پڑتا ہے تو ہزاروں ققنس پیدا ہو جاتے ہیں (الانتباہات المفیدہ ص ۱۸)

مسجد ضرار کو جلانے کا حکم

بیس روز قیام کے بعد آپ ﷺ تبوک سے مدینہ منورہ واپس ہوئے۔جب آپ مقام ذی آوان میں پہنچے جہاں سے مدینہ ایک گھنٹہ کے فاصلہ پر رہ جاتا ہے تو آپ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو مسجد ضرار کے منہدم کرنے اور جلانے کے لئے آگے بھیجا۔یہ مسجد منافقین نے اس لئے بنائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اس میں بیٹھ کر مشورہ کریں۔جس وقت آپ تبوک جا رہے تھے، اس وقت منافقین نے آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیمار اور معذورین کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔آپ چل کر اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھ دیں تا کہ وہ مقبول اور

متبرک ہوجائے۔آپ نے فرمایا اس وقت تو میں تبوک جارہا ہوں واپسی کے بعد دیکھا جائے گا ۔واپسی کے بعد آپ نے ان دو حضرات کو حکم دیا کہ اس مسجد کو جلادیں اور یہ آیتیں اسی کے بارے میں اتری۔

{والذینااتخذوا مسجداضرراأو کفراً۔۔۔}ورةتوبۃایت ۱۰۷،۱۰۸)(سیرت المصطفی ج ۲ ص ۵۸۳))

سویلم یہودی کے مکان کو جلانا

ابن ہشام کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے سویلم یہودی کے مکان کے بھی جلانے کا حکم دیا جس میں منافقین جمع ہوکر آپ ﷺ کے خلاف مشورہ کیا کرتے تھے،حضرت طلحہ رضی اللہ نے چند آدمیوں کی ہمراہ جاکر اس کے مکان نذر آتش کیا۔(سیرت المصطفیٰ ج ۲ ص ۵۸۴)

حدیث گھڑنے والے کو جلانا

مقدمہ موضوعات کبیر میں ہے، ملاعلی القاری نے اس حدیث {من کذب علیَ متعمدافلیتبو مقعدہ من النار} کے شان ورود میں طبرانی کے حوالہ سے ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عرب کے ایک قبیلہ کی طرف ایک آدمی کو کسی کام پر بھیجا اس نے جاکر کہا کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں جس طرح چاہوں تمہاری عورتوں میں تصرف کروں لوگوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کا حکم سر آنکھوں پر قبول ہے مگر ہم معلوم کریں گے، چنانچہ انہوں نے ایک آدمی بھیجا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ بہت غصہ ہوئے اور ایک انصاری صحابی کو بھیجا کہ جاکر اس شخص کو قتل کردو، اور پھر آگ میں جلادو جب صحابی وہاں گئے تو وہ شخص پہلے مر چکا تھا اور دفن کیا جاچکا تھا۔اس انصاری نے اس کو قبر سے نکالا اور آگ میں جلادیا اور فرمایا کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔(مقدمہ موضوعات کبیر ص ۱۰)

تاریخ کے کتاب ''الکامل'' میں یہ وضاحت ہے کہ مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر بنولیث کا قبیلہ تھا، اس میں ایک آدمی نے دور جاہلیت میں وہاں نکاح کا پیغام بھیجا تھا، مگر اس قبیلے والوں نے انکار کیا۔ اس آدمی نے ایک لباس پہنتا تھا، اور کہا کرتا تھا، کہ یہ مجھے آپ ﷺ نے پہنایا ہے ۔ اور اس کے آخر میں ہے کہ (فوجده قد لدغته افعی فمات فحرقه) کہ اس کو سانپ نے ڈسا تھا اور اس سے مرگیا، پس انہوں نے آگ میں جلایا۔ (بحوالہ مجموعۃ الرسائل للکنوی ''۔ج ۵ ص ۱۹)

امیر کے حکم کی تعمیل میں آگ میں کود جانے کا حکم

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں نقل کیا ہے۔

''عن علي رضى الله عنه قال: بعث النبي ﷺ سرية فاستعمل رجلاً من الانصار وامرهم ان يطيعوه ''فغضب فقال: اليس امركم النبي ﷺ ان تطيعونى ؟قالوا بلى 'قال :فاجمعوا لى حطباً 'فجمعوا 'فقال :اوقدوا ناراً 'فاوقدوها 'فقال :ادخلوها 'فهموا وجعل بعضهم يمسك بعضاً 'ويقولون: فررنا الى النبى ﷺ من النار 'فما زالوا حتى خمدت النار فسكن غضبه 'فبلغ النبى ﷺ 'فقال :لو دخلوها ما خرجوا منها الى يوم القيامة 'الطاعة في المعروف {(صحيح البخارى ۴۳۴۰ 'صحيح مسلم ۱۸۴۰)

ترجمہ: علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انصار کے ایک شخص کو نبی اکرم ﷺ نے ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ امیر کی اطاعت کرنا، امیر دوران سفر کسی بات پر ناراض ہو گئے تو انہوں نے اپنے ساتھ جانے والوں سے کہا کہ کیا تمھیں نبی اکرم ﷺ نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ سب نے

کہا، کیوں نہیں، امیر نے کہا کہ پھر تم لکڑیاں جمع کرو، حکم کی تعمیل میں سب نے لکڑیاں جمع کیں، امیر نے ان لکڑیوں میں آگ لگانے کا حکم دیا، انہوں نے آگ لگادی، اب امیر صاحب نے حکم دیا کہ تم سب اس آگ میں داخل ہوجاؤ کچھ لوگوں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کرلیا لیکن پھر ایک دوسرے کو روکنے لگے اور کہنے لگے ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف اسی لیے بھاگے ہیں کہ آگ سے بچ جائیں۔ اسی شش وپنج میں تھے کہ آگ ٹھنڈی ہوگئی اور امیر کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ امیر کے حکم کی تعمیل میں آگ میں داخل ہوجاتے تو قیامت تک نہ نکلتے، کیونکہ امیر کی اطاعت صرف نیکی میں کرنی ہے۔ ''لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق'' مطلب یہ ہے، اگر یہ لوگ اپنی جلائی ہوئی اس اگ میں داخل ہوجاتے تو سب اس میں مرجاتے اور کوئی بھی اس سے نہ نکلتا۔ (کشف الباری ج ۸ ص ۵۸۱)

حدود میں کسی کو جلانے کی سزا کا حکم

إذا احرق رجل رجلاً بالنار قتل به (ای بالاحراق) لان النار تفرق الاجزاء او تبعضها۔

جب کوئی شخص دوسرے شخص کو آگ سے جلادے تو اُس کو بھی آگ سے قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ آگ بدن کو متفرق ٹکڑے کردیتا ہے یا جدا کردیتا ہے۔

موذی جانوروں کو آگ میں جلانا

موذی جانوروں کو مجبوری کے وقت آگ میں جلانا (اس شرط پر جائز ہے کہ) اگر وہ کسی اور طریق سے دفع نہ ہو تو پھر مجبوری کو آگ دینا جائز ہے اور اگر کسی اور طریق سے ہلاک ہوجاوے یا وہ وہاں سے اور جگہ دفع ہوجاوے تب جلانا جائز نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۶۵)

و فی "البدائع" : لو قتل فی المصر نهارا ابز جاجة، او لیطة قصب، او طعنة برمح لا زج له، او رماه بنشابة لا نصل لها، او احرقه بالنار او بکل شیء یعمل عمل الحدید من جرح او بضع او طعن لا یغسل۔

و فی "المحیط" : و ان وجد غریقا، او حریقا فی المعرکة، و لا یدری کیف حاله لا یغسل، و ان لم یکن کذالک فهو میت حتف انفه فیغسل، کذالک النازل من راسه، و عند الشافعی لا یغسل من مات فی قتال اهل الحرب فهو شهید سواء کان به اثر او لا۔ (البنایه شرح الهدایه ج۳۔ص ۲۶۳)

"و کان ﷺ یقول: "من قتل عصفوراً عبثاً عج الی الله یوم القیمة، و قال: یا رب إن فلانا یقتلنی منفعةً" و قال ابن مسعود رضی الله عنه : کنا مع رسول الله ﷺ فی سفرٍ فانطلق لحاجته فرأینا حمرةً معها فرخان فأخذنا فرخیها، فجاءت الحمرة تعرس، فجاء النبی ﷺ فقال: من فجع هذه فی ولدیها ردوا ولدیها" و رأی ﷺ قریة نمل قد حرّقناها فقال: من حرّق هذه؟ قلنا: نحن قال: "إنه لا ینبغی أن یعذب بالنار الا رب النار و قریة النمل هی موضع اجتماع النمل مع النمل"(کشف الغمة عن جمیع الأمة۔ص ۲۷۸)

جدید مسائل

مزدور کے حفظان صحت کیلئے آگ سے بچاؤ کی تدبیر

آجر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس چیز کا اہتمام کرے جس سے اجیر کی صحت کو کوئی نقصان اور ضرر لاحق نہ ہو۔ وہ فیکٹریاں اور دوکانیں جہاں آگ بھڑکنے کا خطرہ ہو۔ مالکان پر لازم ہے کہ آگ سے بچاؤ کا اہتمام کریں اور دیگر حوادثات سے بچنے کے لئے خصوصی انتظام ان کے ذمہ لازم ہے۔ مثلاً: اکسیجن گیس فائر بریگیڈر کی فون نمبر، خصوصی جیکٹ وغیرہ الات۔

آگ سے جل کر مرنے والا شہید ہے

حکومت نے آگ بجھانے کے لئے جن لوگوں کو مقرر کیا ہے وہ فائر بر گیڈ کے محکمہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں کوئی آگ وغیرہ یا اور کوئی خطرہ ہو یہ محکمہ والے پہنچتے ہیں۔ ان کو اسکا اجر بھی ملے مگر شرط یہ ہے کہ اس ڈیوٹی میں خلق خدا کی خدمت کی نیت کر لیں۔ اور اگر اس دوران وہ آگ میں جل گئے تو آپ ﷺ کی ارشاد کے مطابق شہید کا درجہ پائیں گے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''الحریق شھید'' آگ میں جلنے والا شہید ہے۔ (مسند احمد ۲۳۸۰۴، ابوداود ۳۱۱۱، نسائی ۱۸۴۶)

ہڑتال کے دوران چیزوں کو آگ لگانے کا حکم

اگر کسی جگہ ہڑتال یا انتقامی کاروائی ہو یا محض اپنا جذبہ انتقام ٹھنڈا کرنے کیلئے اکثر مساجد، گاڑی، پیٹرولپمپ، موٹر سائیکل، وغیرہ کو آگ لگا کر جلایا جاتا ہے۔ اور یہ معاملہ اس وقت پیش آتا ہے کہ کسی پارٹی، قوم، علاقے کا لیڈر قتل کیا جاتا ہے، یا اغوا کیا جاتا ہے یہ شخص اسلامی ریاست کا شہری ہو تو قانون ملک کی خلاف ورزی سخت گناہ ہے۔

وضاحت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس کے ایک ایک عضو کو محترم بنایا ہے تو اسی احترام کے پیش نظر انسان کے وہ اعضاء جنکے کاٹنے سے انسان درد محسوس کرتا ہے تو تلف ہو جانے کے بعد ان اعضاء کو دفن کرنا واجب ہے۔ البتہ وہ اعضاء جن کے کاٹنے سے درد محسوس نہیں ہوتا (جیسے ناخن، بال وغیرہ) تو ان اعضاء کو کاٹنے کے بعد دفن کرنا واجب تو نہیں انسانی مروت اور احترام کے پیش نظر ان کو بھی دفن کرنا بہتر ہے اگر چہ پھینکنا بھی جائز ہے لیکن ایسی جگہ پھینکنا جہاں بے حرمتی نہ ہو (جیسے گٹر، نالہ، باتھ روم، انسانوں یا جانوروں کی گزرگاہ وغیرہ میں) مکروہ ہے۔

فاذا قلم أظافير او جز شعره ينبغي ان يدفنه فان رمى به فلا باس وان القاه في

الکنیف او فی المغتسل کرہ لانہ یورث داء خانیۃ۔ ویدفن اربعۃ الظفر والشعر وخرقۃ الحیض والدم (عتابیہ) (التنویر مع الدر ج۶ ص ۴۰۵)

(اہم فقہی مسائل حضرت مولانا مفتی فدا صاحب ص۲۳۹)

اگر اسی مسئلہ پر دور حاضر کے شہری یا گنجان علاقوں کی بعض مسائل کو قیاس کیا جائے تو مناسب ہوگا۔

بعض خاص حالات میں حمل نہ ٹھہرانے کیلئے کنڈوم غبارہ کے استعمال جس میں مادہ منویہ جسم میں داخل نہ ہوسکے۔ استعمال کیا جاتا ہے۔اور بعد میں راستوں یا گندی نالوں میں یا غیر مناسب جگہوں میں پھینکتے ہیں جو مردوں اور عورتوں کی گزگاہ ہوتے ہیں اسکی اثرات سے کون واقف نہیں ہیں

اگر اس کو جلایا جائے تو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے اگرچہ اس میں منی ہے اسی طرح ایام حیض میں جو کپڑے صفائی کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں اس کا جلانا بہتر ہے۔ کیونکہ انسانی اجزاء دو قسم پر ہے (۱) پاک اجزاء جیسے بال، ناخن، حشفہ۔ (۲) ناپاک اجزاء جیسے خون، منی وغیرہ۔

موذی جانوروں کو ہلاک کرنے کا حکم

موذی جانور کا قتل مہذب سلطنتیں رعایا کے آرام کا جو انتظام کرتی ہے ان میں ایک یہ ہے کہ موذی جانوروں کو ملک سے فنا کرنے کی کوشش کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے جانوروں کے قتل پر انعام دیا جاتا ہے، صحابہ کرام نے بھی اس قسم کا انتظام کیا تھا، نصیبین میں بچھو بکثرت تھے جس سے وہاں کے مسلمان کو اذیت پہونچی تھی، وہاں کے عامل نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو انہوں نے لکھا کہ تمام شہر کے لوگوں پر بچھو کی ایک تعداد مقرر کردی جائے کہ ہر رات کو پکڑ لائے، چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس پکڑ کر لاتے تھے اور وہ مار ڈالتے تھے، اس طرح بچھو کی تعداد میں بہت کمی ہوگئی۔ (معجم البلدان ذکر النصبین

۔انواراسلام ص ۱۸۷۲)

جلانے سے زخم کا علاج کرنے کا حکم

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی جلا کر نبی ﷺ کے زخم پر چپکائی!

"اخذت قطعة من حصير ، فاخرقتها والصقتها ، فاستمسک الدم ، وکسرت رباعيته يومئذ ، وجرح وجهه ، وکسرت البيضة علی راسه"

جب جنگ احد میں حضور ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا تو آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چہرہ انور دھوتی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈال دیتے تھے۔لیکن جب خون کسی طرح نہیں تھما تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم پر چپکائی تب خون بند ہوا۔(کشف الباری کتاب المغازی ۲۴۷)

جلے ہوئے آدمی کی پیوندکاری

انسان خود اپنے جسم کے کٹے ہوئے اور علاحدہ شدہ کی دوبارہ اپنے جسم میں پیوندکاری کر سکتا ہے یا نہیں؟ طرفین اس کو جائز نہیں سمجھتے اس لئے کہ جسم کا کٹ گیا ہے اب اس کو دفن کیا جانا واجب ہے،اس کے دوبارہ استعمال میں اس سے انحراف ہایا جاتا ہے۔

"فاذا انفصل استحق الدفن ککله والاعادة صرف له عن جهة الاستعاق"

پس جب کہ کوئی جزء بدن سے جدا ہو گیا تو وہ مستحق دفن ہو گیا جیسے کل بدن اور اس جز کو دوبارہ استعمال کرنا اس کو اس کے استحقاق سے روکنا ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے کیوں کہ انسان کا خود اپنے جزء سے انتفاع از قبیل اہانت نہیں ہے:

"ولا اهانة في استعمال جزء منه"۔

اپنے جزء کے استعمال میں اس کی توہین نہیں ہے۔

لیکن اس باب میں بھی فتویٰ ابو یوسف ہی کی رائے پر ہے اور عام طور پر فقہاء نے اس کو جائز ہی رکھا ہے۔(جدید فقہی مباحث ج۱ص ۲۰۳)

اعضاء کی پیوند کاری میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک عدم جواز کا ہے۔امام یوسف سے اس کی علت تکریم انسان منقول ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام میں اس کی علت نجاست کو قرار دیا ہے۔(جدید فقہی مباحث ج۱ص ۲۴۵)

پوری طرح جھلسے ہوئے مریضوں کو دیگر جانوروں کی جلد کی پیوند کاری: یہ جلد قبل ہی ہوا سے خالی چیمبر کر کے سکھائی گئی ہوتی ہے۔اس پروسس کو انگریزی میں (Lyophilization) کہتے ہیں۔(جدید فقہی مباحث ج۱ص۱۷۶)

آگ کے ذریعے داغ کر علاج کرنا

انسان کے وجود کے بارے میں اسلام کا تصور ہے کہ وہ خود ایک امانت ہے اس کے لئے اپنے جسم میں وہی تصرف جائز اور درست ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہو۔وہ اپنی منشاء و مزاج کے مطابق خود اپنے جسم کو نقصان پہنچانے یا اس میں تغیر وتبدل کرنے کا بھی مجاز نہیں۔ اپنے آپ کی حفاظت اس کا شرعی فریضہ ہے اور صحت جسمانی کو برقرار رکنے کی امکان بر سعی تقاضا امانت کے تحت اس کی ذمہ داری ہے،(جدید فقہی مباحث ج۱۵ص ۵۳)

اگر داغ کر علاج کرنیکی ضرورت نہ ہوتو ایسا کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ آگ کے ذریعے سزا دینا ہے اور آگ کے ذریعے سزا دینے کا اختیار صرف آگ کے پیدا کرنے والے کو ہے۔(حاشیہ ابن عابدین۔۱،۷۔۱۳، الموسوعہ الفقہیہ ج۲ص ۲۰۵)

لیکن جب داغنے کے سوا کوئی علاج نہ ہوتو داغ کر علاج کرنا جائز ہے خواہ لوہے سے داغنا ہو چاہے یا کسی اور چیز سے۔

آگ سے داغنا (الوسم)

انسان کے علاوہ دوسرے جانوروں کے چہروں کو آگ سے داغنا بالاجماع حرام ہے، تو انسان کے چہرے پر آگ سے نشان لگانا اسکی تکریم کیوجہ سے بدرجہ اولیٰ حرام ہے اسلئے بھی کہ اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور انسان کی تعذیب جائز نہیں ہے، فقہاء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ غیر انسانوں میں چہرے کو داغنے کی ممانعت کراہت کے معنی میں ہے، اور دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ ممانعت قرار دینے کیلئے ہے، دوسری رائے زیادہ قوی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے اور لعنت بھیجنا حرمت کا متقاضی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا} ما ابلغکم انی لعنت من وسم البهيمة فی وجهها (مسلم، ترمذی اور ابوداؤد)، کیا تم تک یہ بات نہیں پہنچی ہے کہ میں نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جس نے چوپایہ کے چہرے کو آگ سے داغا۔

انسان کے علاوہ دوسرے جانوروں کے باقی جسم کو داغنا جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے، بلکہ مستحب ہے، کیونکہ روایات میں ہے کہ صحابہ کرام نے زکوٰۃ اور جزیہ کے جانوروں کیساتھ ایسا کیا ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسکو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں، کیونکہ اسمیں جانور کو تعذیب اور اس سے مثلہ کرنا اور صورت بگاڑنا ہے۔ (حاشیہ ابن عابدین۔ ۶، ۳۸۸، الموسوعہ الفقہیہ ج ۲ ص ۲۰۵)

سگریٹ کے ساتھ اپنے جسم کو داغنے کا حکم

قدیم زمانہ میں عام طور پر جانوروں کو علامت کے بطور داغ دیا جاتا تھا، اور اسی داغ سے ان کو پہچانا جاتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ داغنے اور چہرے پر مارنے سے منع فرمایا (مسلم شریف ج ۳ ص ۲۰۳)۔

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ کا ایک گدھا پر گذر ہوا جس کے چہرہ کو داغا گیا تھا، تو آپ نے داغنے والے پر اللہ کی لعنت بھیجی۔

(شرح نووی علی مسلم ج۲ ص ۲۰۳)

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ انسان کے جسم کو داغنا چہرہ ہو یا جسم کا کوئی اور حصہ حرام ہے، اس پر بھی اتفاق ہے کہ حیوانات کے بھی چہرہ داغنا جائز نہیں، (قاموس الفقہ ج ۵ ص ۲٦۷)۔ لہذا انسان کے جسم کو داغنا چہرہ ہو یا جسم کا کوئی حصہ ہو حرام ہے۔

علاج بذریعہ عمل جراحت

}عن جابر قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ طبیبا فقطع منہ عرقا ثم کواہ علیہ{(مسلم شریف حدیث نمبر۲۰۲۷)

حضرت جابر کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک طبیب کو بھیجا جس نے ایک رگ کاٹی پھر اس کو داغا۔۔(مریض و معالج کے اسلامی احکام۔۳۹)

}عن جابر قال رمی سعد بن معاذ فی اکحلۃ فحسمہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ بمشقص ثم ورمت فحسمہ الثانیہ{(مسلم شریف حدیث نمبر۲۲۰۸)

حضرت جابر کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو کی اکحل رگ میں تیر لگا تو نبی علیہ السلام نے خود اپنے ہاتھ سے نیزے کے پھل سے داغ لگایا ،حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جب دوبارہ ورم ہوا تو آپ نے دوبارہ داغ دیا۔(مریض ومعالج کے اسلامی احکام ص ۴۰)

داغنے کے ذریعے علاج کرنے کا حکم

}عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشفاء فی ثلاث فی شرطۃ محجم او شربۃ عسل او کیۃ بالنار وانا انھی امتی عن

الکی}(بخاری شریف ۵٦٨١)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیماری سے شفا تین چیزوں میں ہے:

(۱) پچھنے لگانے (حجامہ) کے اس آلہ میں جس میں کھینچا ہوا خون جمع ہوتا ہے (آلہ کے ذکر سے مراد خود حجامہ کا عمل ہے)۔

(۲) شہد پینے میں (۳) اور آگ کے ساتھ (یعنی آگ پر آلے کو گرم کرکے یا برقی ذریعے سے گرم کرکے) داغنے میں لیکن میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں (یعنی علاج کے دیگر طریقوں کو اس طریقے پر ترجیح دیتا ہوں کیونکہ یہ آخری درجے کا علاج ہے اس لئے ابتداء ہی میں اس کو اختیار کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ علاوہ ازیں دور جاہلیت میں لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ داغنا بیماری کو جلا دیتا ہے اور مریض تندرست ہوجاتا ہے اور اس کو اختیار نہ کیا جائے تو انسان مرجاتا ہے۔ دور جاہلیت میں لوگ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ داغنا بذات خود آدمی کو شفا دیتا ہے غرض ممانعت کی ایک وجہ دور جاہلیت کے اس غلط عقیدے سے بچاؤ کی بھی تھی۔ (مرض ومعالج کے اسلامی احکام ص ۴۴)

علاج بالکیؒ کی شرعی حیثیت

”عن حارثۃ بن مضرب قال: دخلت علیٰ حباب وقد اکتوی فی بطنه“

حدیث باب میں ”قد اکتوی“ کے الفاظ علاج بالکی کے جواز پر دال ہیں حالانکہ متعدد روایات میں اس سے روکا گیا ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ نھی عن الکی کی روایات منسوخ ہیں اور یہ نہی شروع اسلام میں تھی، جب کہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ شفاء صرف داغنے میں ہے یا اس کو سبب شفاء کے بجائے بنفسہ شافی مانتے تھے پھر جب لوگوں کے

قلوب واذہان میں عقائد اسلام راسخ ہوگئے تو اس کی اجازت دے دی گئی بعض نے یہ کہا ہے کہ نہی کی احادیث ''سوء الاعتقاد'' پر محمول ہیں، ورنہ صحت عقیدہ کے ساتھ علاج بالکی میں نہ پہلے کوئی حرج تھا، نہ اب ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ احادیث نہی تحریم پر نہیں بلکہ ارشاد پر محمول ہیں جب کہ احادیث اباحت رخصت پر۔ احقر (مفتی تقی عثمانی) کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے تھے کہ شریعت کی نظر میں علاج بالکی پسندیدہ نہیں اس لئے کہ یہ تعمق فی العلاج ہے، اور توکل کے مناسب یہ ہے کہ علاج تو اختیار کیا جائے لیکن اس میں تعمق نہ ہو بلکہ طب میں ''اجمال'' سے کام لیتے ہوئے اللہ پر بھروسہ ہونا چاہئے جب کہ اہل عرب ''کی'' پر حد سے زیادہ اعتماد کرتے تھے اور کہتے تھے'' آخر الدواء الکی'' اس لئے شریعت میں علاج بالکی سے احتراز کو پسندیدہ قرار دیا گیا، اس کے علاوہ کی میں مریض کے لئے الم شدید یقینی ہے اور شفاء موہوم ہے، علاج بالکی کے شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہ ہونے کی یہی وجہ ہے کہ، جہاں تک علاج بالکی کے نفس جواز کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں ،اگر چہ اولی نہیں چنانچہ جن روایات میں نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کا بلکی سے علاج کرنے یا کروانے کا ذکر ہے وہ سب جواز پر ہی محمول ہیں، ممکن ہے کہ دوسرے علاجوں سے فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے وہاں بدرجہ مجبوری بلکی کو اختیار کیا گیا ہو، بہر حال علاج بالکی سے حتی الامکان احتراز بہتر ہے۔ ہمارے زمانہ میں اپریشن علاج بالکی ہی کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کو بھی بغیر ضرورت شدیدہ کے اختیار نہ کرنا چاہئے۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۲۵۵، ۲۵۷)

دوا کے لئے بچھو کو جلانا

سوال:۔۔۔۔زندہ بچھو کو اسپرٹ میں ڈال کر دوا بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اسپرٹ میں ڈالنے سے

بچھو کو زیادہ تکلیف ہوگی اور جان دیر میں نکلے گی؟

جواب: بچھو کو بھی بلا وجہ تکلیف نہ دی جائے، مار کر اسپرٹ میں ڈال دیا جائے پھر دوا بنالی جائے (فتاوی محمودیہ ج ۵ ص ۳۸۴)

لواطت میں جلانے کی سزا کا حکم

لواطت: غیر فطری عمل خواہ مرد سے کیا جائے یا عورت سے، بیوی سے کیا جائے یا اجنبی عورت سے، ہر حال میں حرام ہے۔اس کے لئے بھی قانونی طور پر سنگسار کرنا یا آگ میں جلانا یا پہاڑ کے اوپر سے گرانے یا کوڑے لگوانے کی مختلف سزائیں مشروع ہیں، سلطانِ اسلام ان میں سے کوئی بھی سزا دے سکتا ہے۔آخرت میں جہنم میں عذاب کی وعید الگ ہے۔(فتاوی بینات ج ۴ ص ۲۹۶)

اما ابوحنیفہؒ کے نزدیک لواطت کی سزا لواطت کرنے والے اور جس کے ساتھ لواطت کی جائے دونوں کیلئے تعزیر ہے، حاکم کو یہ بھی اختیار ہے کہ تعزیری سزا جلانے کی صورت میں دے علامہ ابن القیم کی بھی یہی رائے ہے۔ابن حبیب مالکی نے کہا ہے کہ دونوں کو جلانا واجب ہے اسکے برخلاف جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ لواطت کرنیوالے دونوں مجرموں کو جلانے کی سزا نہیں دی جائیگی۔ جو لوگ لواطت کی سزا میں جلانے کی بات کہتے ہیں۔ انکا استدلال صحابہ کرام کے عمل سے ہے، ان میں سرفہرست حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ نیز لواطت کی سزا میں حضرت علیؓ نے بھی بہت سختی کی ہے۔(حاشیہ ابن عابدین۔ ۳، ۱۵۴، ۱۵۵)

جس جانور کیساتھ بدفعلی کی گئی ہو اسکا جلانا

چوپایہ سے بدفعلی کرنیکی وجہ سے کسی شخص پر حد نہیں جاری کی جائیگی بلکہ تعزیر دی جائیگی اور چوپایہ کو ذبح کر دیا جائیگا پھر جلا دیا جائیگا، اگر وہ ان جانوروں میں سے ہو جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا، کہ اس چوپایہ کو دیکھ کر اس گھناؤنے واقعہ کا بار بار چرچا نہ ہو لیکن 'الہدایہ' کیمطابق ایسا کرنا

واجب نہیں ہے، اور اگر چوپایہ ایسا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہو تو امام ابوحنیفہ اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک اسکا کھانا جائز ہے اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اسکا گوشت بھی جلا دیا جائے گا۔ قنیہ میں ہے کہ اسکو زخمی کر دیا جائیگا اور مستحب یہ ہے کہ جلا دیا جائے اسکا گوشت کھانا حرام ہے۔ امام احمد اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ ذبح کئے بغیر اس کو قتل کر دیا جائیگا ،اسلئے کہ اگر جانور زندہ رہا تو اس گھناؤنے کام کی یاد تازہ رہیگی، اور اس چوپایہ کے ذریعے عار دلائی جائیگی، اور ان حضرات کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس چوپایہ کو اسطرح زندہ چھوڑ دینے میں کوئی خرج نہیں ہے (حاشیہ ابن عابدین۔ ج ا ص ١٦٦، الموسوعہ الفقہیہ ج ٢ ص ١٩٩، ٢٠٠)

آگ لگنے کی وجہ سے پڑوسی کا گھر منہدم کرنا

جب کسی گھر کو آگ لگ جائے تو ساتھ والے گھر کو منہدم کرنا جائز ہے۔

"انہ یسوغ لاولیاء الامور ھدم البیوت المجاورۃ للحریق منعاً لسریانہ"۔

الاشباہ والنظائر میں قاعدہ ہے "یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام" بڑے بقصان سے بچنے کے واسطے چھوٹا نقصان برداشت کرنا آسان ہے۔ (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص ٨٧۔ وشرح المجلہ، مادہ ٢١، ٢٦ ص، ٢٤)

موسوعة القواعد الفقهيه میں ہے "ومنها: منع اتخاذ حانوت الطبخ في سوق باعة القماش والتجار دفعا لضرر الحريق عن الآخرين" کپڑوں کی مارکیٹ میں نان بائی کو دوکان کھولنے سے روکا جائے گا، کیونکہ اس میں آگ بھڑکنے کا خطرہ ہے، بناء بر قاعدہ قاعدہ ہے "يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام" بڑے بقصان سے بچنے کے واسطے چھوٹا نقصان برداشت کرنا آسان ہے۔ (موسوعۃ القواعد الفقہیہ ص ٢٧٠)

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانے کا حکم

فقہائے حنفیہ نے ترجیح اس کو دی ہے کہ قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانے کے بجائے یا تو

کسی محفوظ جگہ پر دفن کر دیا جائے یا اگر وہ اوراق دھل سکتے ہوں تو حروف کو دھو کر ان کا پانی کسی کنویں یا ٹنکی وغیرہ میں شامل کر دیا جائے، اور دفن کرنے کے لئے بھی بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان اوراق کو کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے، اگر یہ دونوں کام مشکل ہوں تو ان اوراق کو کسی دریا، سمندر یا کنویں میں بھی ڈالا جا سکتا ہے۔

فی الدر المختار۔"۔۔الکتب التی لا ینتفع بھا یمحی عنھا اسم اللہ و ملٰئکتہ و رسلہ و یحرق الباقی، و لا بأس بان تلقی فی ماء جار کما ھی او تدفن و ھو احسن کما فی الانبیاء" (الدر المختار ج ۲ ص ۲۲۴)

و فی الشامیۃ: "المصحف اذا صار خلقا، تعذر القراءۃ منہ لا یحرق بالنار، الیہ اشار محمد و بہ نأخذ، و لا یکرہ دفنہ، و ینبغی ان یلف بحرقۃ طاھرۃ و یلحد لہ، لانہ لو شق و دفن یحتاج الیٰ اھالۃ التراب علیہ" (شامی حظر و اباحت او آخر فصل البیع)

اور بعض علماء نے حضرت عثمانؓ کے عمل سے استدلال کر کے قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو نذر آتش کرنے کی بھی اجازت دی ہے، لیکن دوسرے علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ انہوں نے جن مصاحف کو نذر آتش کیا تھا وہ تمام تر قرآن کریم نہ تھے، بلکہ ان میں تفسیری اضافے وغیرہ بھی درج تھے، اگر وہ خالص قرآن ہوتے تو آپؓ انہیں نذر آتش نہ فرماتے، چنانچہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

قال ابن حجر: و فعل عثمان رضی اللہ عنہ یرجح الاحراق و حرقہ بقصد صیانتہ بالکلیۃ لا امتھان فیہ بوجہ۔۔۔ و القیاس علیٰ فعل عثمان لا یجوز، لان صنیعہ کان بما ثبت انہ لیس من القرآن او مما اختلط بہ اختلاط لا یقبل الانفکاک، و انما اختار الاحراق لانہ یزیل الشک فی کونہ ترک بعض القرآن، اذ لو کان قرآنا لم یجوز مسلم ان یحرقہ و یدل علیہ انہ لم یومر بحفظ رمادہ من الوقوع فی النجاسۃ۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۵ ص ۲۹)

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا فعل جلانے کو ترجیح دیتا ہے۔اور اُن کا قرآن نسخوں کا جلانا اُسکی حفاظت کی غرض سے تھا اُس میں کسی قسم کی اہانت نہیں پائی جاتی ۔اور حضرت عثمانؓ کے فعل پر دیگر لوگوں کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔کیونکہ اُن کا عمل اس بنیاد پر تھا کہ یہ ان نسخوں کا حکم قرآن کا نہیں ہے۔اور یا وہ ایسے دیگر چیزوں کیساتھ ایسے گڈمڈ ہو گئے تھے کہ اُنکا ایک دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہ تھا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ عثمانؓ نے جلانے کو اس وجہ سے ترجیح دی کہ کوئی یہ شک نہ کریں اُس نے ان نسخوں کے بعض حصوں کو چھوڑ دیا ہے۔اگر یہ قرآن ہوتا تو کوئی مسلمان اس کے جلانے کو جائز نہیں کہتا اس بات کی دلیل کہ یہ قرآن نہیں تھا یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے انکے جلانے کے بعد اس کی راک کو نجاست میں کرنے سے محفوظ کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔(تر۔الاعظمی)

خلاصہ یہ کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے اوراق کو جلانے کے بجائے دفن کیا جائے ،لیکن چونکہ بعض علماء نے جلانے کی بھی اجازت دی ہے اور اس کا ماٗخذ بھی ہے، اس لئے اگر کوئی نذر آتش کرے تو اسے حرام کہنا بھی مشکل ہے۔(فتاوی عثمانی ج ا ص ۱۹۵)

نجس چیزیں آگ سے جل کر پاک ہوجاتی ہیں

آگ چند جگہوں پر طہارت کا فائدہ دیتی ہے جب اس کے ذریعے نجاست کا استحالہ (حقیقت و ماہیت بدلنا) کیا جائے یا نجاست کا اثر اس کے سبب زائل ہوجائے جیسے نئے مٹی کے برتن کو آگ میں پکادینا اور لید کا راکھ بن جانا اور بکری کی سری کے خون کو جلا دینا۔

قرآن مجید۔جب قرآن مجید پر ڈوبنے یا جلنے یا گندگی یا کافر کے ہاتھ میں چلنے کا خوف ہو تو اس وقت بے وضوء اٹھانا واجب ہے۔(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ا ص ۶۲۶)

قرآن کی آیات سے مزین درہم کو جلانے کا حکم

درہم کو پگھلانا مکروہ ہے جس پر آیت قرآن نقش ہو الا یہ کہ درہم ٹوٹ گیا ہو تو اسے پگھلانا مکروہ نہیں رہتا، کیونکہ ٹوٹنے کے بعد آیت کے حروف بکھر جاتے ہیں یا اس لئے کہ باقی حصہ ایک آیت سے کم رہ جاتا ہے۔ (الموسوعہ الفقہیہ ج ۲ ص ۲۰۴۔)

غیر مسلموں کا قرآن مجید جلانا

فتاوی مظاہر علوم المعروف بفتاوی خلیلیہ سے ایک سوال وجواب نقل کرنے پر اکتفاء کرنا مناسب ہے۔

سوال:۔ ہولی جو ہندوں کا تہوار کا دن ہے، اس دن میں یہ لوگ بہت خرافات کرتے ہیں، ایک مسجد ہندووں کے محلہ سے متصل واقع ہے اس مسجد کی الماری میں قرآن پاک رکھا ہوا تھا، ہندو کے نابالغ بچوں نے قرآن مجید مسجد سے باہر لا کر آگ میں جلا دیا، مسلمانوں نے سرکار سے فریاد چاہی مقدمہ جاری ہو گیا۔ ہنود اور وکلاء ہنود مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ مقدمہ سرکاری چھوڑ دو اور تمہاری شریعت جو بھی فیصلہ کرے ہم کو منظور ہے، بندہ محض مولوی نامی شخص ہے مسلمانوں نے بندہ کو بلایا تھا کہ شرعی حکم معلوم کریں میں نے کہا کہ اس سے مسئلہ سے ناواقف ہوں علماء کرام کو لکھتا ہوں جب فتوی آئے گا ضرور حاضر کروں گا، حضور والا کا فتوی آنے تک سرکار سے مہلت لی ہے حضرت معاملہ چونکہ سخت ہے اس لئے بحوالہ کتب جواب مرحمت فرمائیں اور نیز وکلاء ہنود بغیر حوالہ کتب نہ مانیں گے اور جوب مع حوالہ کے مسلمانوں کے لئے بھی موجب تسکین ہوگا، فتوی بلا تاخیر کے تحریر فرمائیں تا کہ مہلت نہ گذر جائے۔

ترجمہ جواب: درمختار میں ہے ذمی کی تعزیر کی جائے گی اور مارا جائے دین اسلام یا قرآن پاک یا نبی اکرم ﷺ کی شان ارفع میں گستاخی کرنے پر، علامہ شامی اس کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں کہ ذمی کی سزا کو مصنف علیہ الرحمہ نے مطلق بیان فرمایا کوئی تحدید نہیں کی کہ کتنا مارا جائے گا، پس یہ شامل ہے اس کی تادیب کو اور سزا بالقتل کو بھی بشرطیکہ وہ علی الاعلان گستاخی کرتا ہو یا

گستاخی کرنے کی اس نے عادت بنالی ہو، علامہ شامی نے اس میں بڑی تفصیل سے کلام فرمایا ہے، آگے چل کر فرماتے ہیں اور ہمارے نزدیک ذمی کو سخت ترین سزا دیجائیگی، یہاں تک کہ وہ اگر اس سزا میں مر بھی جائے تو اس کا خون معاف ہوگا، (یعنی اس کا ضمان نہیں آئے گا) لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ علی الاعلان گالی دیتا ہو دل سے اس کا اعتقاد نہ رکھتا ہو، انتہی بکلامہ اب جاننا چاہئے کہ قرآن پاک کی یہ توہین نابالغوں سے سرزد ہوئی ہے، اور نابالغوں کا حکم اس باب میں بالغوں کی ہے، چنانچہ علامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے حد اور تعزیر کے فرق کے بیان میں پس فرمایا کہ حد تو شریعت کی طرف سے متعین ہوتی ہے اور تعزیر امام کی رائے پر موقوف ہوتی ہے جتنی امام مناسب سمجھے، اور ایک فرق یہ ہے کہ حد شبہ کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے، اور تعزیر شبہ کے ساتھ بھی جاری ہوتا ہے اور ایک فرق یہ ہے کہ حد بچے پر واجب نہیں ہوتی اور تعزیر بچے کے لئے بھی مشروع ہے، چوتھا فرق یہ ہے کہ حد بولی جاتی ہے ذمی پر اور ذمی کے واسطے تعزیر کا نام عقوبت ہے یعنی ذمی کی تعزیز کو تعزیر نہیں کہیں گے، بلکہ عقوبت کہیں گے کیونکہ تعزیر مشروع ہوئی ہے تطہیر کے لئے اور ذمی قابل تطہیر نہیں انتہی پس یہ امر بدیہات میں سے ہے کہ ہنود کے بچوں نے قرآن مجید کی توہین کی ہے اور ان کی یہ توہین گالی سے بھی زیادہ سخت ہے پس عقوبت کے مستحق ہوئے، اور عقوبت امام کی رائے کے سپرد ہے، اور تحقیق کہ اس جگہ کوئی مسلمان حاکم نہیں پس اب یہ امر اس جگہ کے علماء کی رائے پر موقوف ہوگا جس جگہ یہ فعل واقعہ ہوا ہے، جو سزا بھی وہ لوگ یعنی علماء تجویز فرمائیں ان پر جاری کی جائے گی۔ اور تعزیر میں کوئی چیز معین نہیں ہوتی بلکہ وہ تو قاضی کی رائے کے سپرد ہے اور اشباہ میں ہے بچہ کو تادیب کے واسطے سزا دینا چاہئے۔ محمد خالد عفرلہ (فتاوی مظاہر علوم المعروف فتاوی خلیلیہ ج ۱ ص ۲۱۹ بحوالہ حاشیہ مترجم)

ایسا کاغذ جسے آگ بھی نہ جلا سکے

ویسے تو چین نے لگ بھگ دو ہزار سال قبل کاغذ کو ایجاد کیا تھا مگر اب اس ملک نے دنیا بھر میں

اس عام ترین چیز کو مزید بہتر بنا کر ایک نئی سطح پر پہنچا دیا ہے۔ شنگھائی انسٹیٹوٹ آف سرامکس نے دنیا کا ایسا پہلا کاغذ تیار کیا ہے جسے آگ بھی نہیں جلا سکتی اور پانی بھی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا، یہ کاغذ پانی میں اس وقت بھی محفوظ رہتا ہے جب اس کی سطح کو نقصان پہنچ چکا ہے جبکہ کافی اور چائے کے داغ بھی اس پر نہیں لگتے، یہ کاغذ ۲۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ کے درجہ کے حرارت میں بھی محفوظ رہتا ہے، اس پر لکھی تحریر کو پانی سے بھی نہیں دھویا جا سکتا اور محققین کا کہنا ہے کہ اس پر تیار کی جانے والی دستاویزات صدیوں تک محفوظ رہ سکیں گی، ویسے تو کاغذ کو واٹر پروف یا آگ سے بچانے جیسے خصوصیات پہلے بھی سامنے آچکی ہیں مگر چین میں تیار ہونے والا کاغذ اس لیے منفرد ہے کیونکہ پہلے کبھی کسی میں یہ دونوں خصوصیات ایک ساتھ موجود نہیں تھیں۔

محققین کی ٹیم اس کی تیاری کے لیے ۲۰۰۸ سے کام کر رہی تھی اور اب اس ٹیکنالوجی کو پینٹ کرانے کی تیاری کر رہی ہے اور توقع ہے کہ تین سال تک اسے فروخت کیلئے پیش کر دیا جائے گا۔ تاہم یہ کاغذ عام کاغذ کے مقابلہ میں تھوڑا مہنگا ہوگا تاہم محققین کو توقع ہے کہ بڑے پیمانے پر تیاری کی صورت میں اس کی قیمت میں کمی آسکتی ہے۔

مباحات

سپینالی کو آگ میں جلا کر نظر بد کیلئے استعمال کرنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے معاشرے میں یہ چیز مشہور ہے کہ بری یا بد نظر سے بچنے کے لئے سپینالی کو انگار پر ڈال کر جلاتے ہیں وہ دھواں پیدا ہوتا ہے اس پر ہمارا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بدنظر یا آسیب کے سایہ سے بچاتا ہے آیا یہ قرآن وحدیث میں ثابت ہے؟ سپینالی ایک قسم کی جڑی بوٹی ہے، گول گول چھوٹے دانوں کے اندر اس کا بیج ہوتا ہے اس کو جب آگ پر ڈالتے ہیں تو اس سے دھواں بنتا ہے۔

جواب: نظر بد کے اثرات دور کرنے کے لئے جو طریقے لوگوں نے اپنے تجربے سے ایجاد کیے ہیں ان میں ایک طریقہ یہ بھی ہے جو اوپر سوال میں ذکر کیا گیا ہے لہذا اگر کوئی مشرکانہ بات نہ ہو تو اسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا ضروری ہے کہ جس طرح عام بیماری میں دوا کو بطور سبب استعمال کیا جاتا ہے، اصل شفاء دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں، اسی طرح نظر بد سے شفاء کے معاملے میں بھی علاج کے ان طریقوں کی حیثیت اسباب کی حد تک ہے اصل شفاء دینے والی ذات اللہ تعالیٰ ہے۔ (ضرب مؤمن جمعہ کیم تا جمعرات ۷ جمادی الاولی ۱۴۳۹ھ بمطابق جمعہ ۱۹ تا جمعرات ۲۵ جنوری ۲۰۱۸)

نظر بد کے لئے مرچیں جلانا

سوال: بچہ کو یا کسی جانور مثلاً بھینس، گائے کو نظر بد لگ جانے پر عورتیں عام طور پر مرچ یا سات کپڑے کی کترین یا صرف سلا ہوا کپڑا لے کر بچے یا جانور کی طرف سات مرتبہ یا کچھ کم وبیش اشارہ کر کے جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیتی ہیں۔ اس طریقہ سے نظر جھاڑنا کیسا ہے؟ پھٹکری وغیرہ سے بجھاڑتی ہیں؟

الجواب: نظر بد اتارنے کیلئے مرچیں وغیرہ (پرائیتیں) پڑھ کر آگ میں جلانا درست ہے۔ جبکہ کوئی خلاف شرع چیز ان پر نہ پڑھی جائے۔ مثلاً کسی دیوی دیوتا وغیرہ کی دہائی یا کسی جن وشیطان سے استعانت وغیرہ (فتاوی مفتی محمودؒ ج ۱۱ ص ۲۷۴)

بال یا ناخن جلانا یا فروخت کرنا

ناخن یا بال وغیرہ کو جلانا یا ایسے مقام پر جہاں ان کی توہین وتذلیل ہو، مثلاً بیت الخلاء وغیرہ میں ڈالنا یا فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

ولا یجوز بیع شعور الانسان ولا الانتفاع بها الان الآدمی مکرم لامبتذل

(ردالمحتار ج ۶ ص ۱۷۹ المسائل المهمة ج ۲ ص ۲۱۱)

حجام کا بالوں کو جلانا

ایک آدمی حلاقہ (حجام) کا کام کرتا ہے اور اس کیساتھ بالوں کا انبار جمع ہوتا ہے تو اس کے لئے تین کاموں میں سے کوئی ایک کام کرنا چاہیے (۱) دفنانا'' (۲) پھینکنا (۳) جلانا

دفن الشعر ليس بواجب بل هو مستحب'''فلاحرج في رميه في القمامة ('والاولى في هذاالزمان حرقه حتى لا يقع الشعر في ايدى السحرة اوغيره ممن قديستعمله في ايذاء الاخرين۔

ناخن انسان کا جز ہے اور انسان اپنے تمام اجزاء کے ساتھ مکرم ہے، اس لیے ناخنوں کو کاٹنے کے بعد انہیں پھینکنا چاہیے، کہ وہ کسی کے پاؤں تلے آجائیں، بلکہ ایسی جگہ ڈال دیا جائے یا دفن کیا جائے کہ وہ روندے نہ جاسکیں۔ اور خانیہ میں ہیں کہ ''ینبغی اَن یدفن قلامۃ ظفرہ ومحلوق شعرہ ،واِن رماہ فلاباس بہ''۔ (المسائل المہمہ ج ۵ ص ۴۰)

قلم کے تراشوں کو جلانا

''ويجوز رمى براية القلم الجديد ولا ترمى براية المستعمل لاحترامه كحشيش المسجد وكناسته لا يلقى في موضع يخل بالتعظيم'' كذا في القنية) عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۴)

جائز ہے پھینکنا برادہ قلم کا جب کہ نیا ہو اور مستعمل ہو تو درست نہیں ہے لائق احترام ہونے کی وجہ سے۔ جیسے مسجد کی خشک گھاس اور اس کا جھاڑا ہوا کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالنا چاہئے جو مخل تعظیم ہو یہ قنیہ میں ہے،

سوال: جس کاغذ میں کسی انسان کی تصویر بنی ہو تو اس کو جلانا چاہیے یا نہیں؟

جواب: اگر محض تصویر ہے تو اس کو جلانا درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ ج ۱۲ ص ۳۷۶)

حالت احرام میں بالوں کو جلانا

بال مونڈنا، کترنا، اکھاڑنا، نورہ، بال صفا سے دور کرنا جلانا سب کا ایک حکم ہے جزاء میں کچھ فرق نہیں، (معلم الحجاج ص ۱۵۴)

جلی ہوئی روٹی اور سڑا ہوا سالن کھانے کا حکم

سوال: جلی ہوئی روٹی یا جلا ہوا بریڈ کھانے کا کیا حکم ہے؟ نیز سڑے ہوئے سالن کھانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ روٹی اگر سخت جلی ہوئی ہے تو صحت کے لئے مضر ہونے کی وجہ سے اس کا کھانا مکروہ ہے، لیکن اگر ہلکی سے جلی ہو اور صفائی کر کے کھالے تو کوئی حرج نہیں۔ نیز سالن سڑ کر بہت زیادہ خراب ہو چکا اور بدبو آنے لگی تو اس کا کھانا بھی مکروہ ہے بلکہ تغیر پذیر ہونے سے ناپاک ہو جاتا ہے اور تو اس کا کھانا ناجائز ہوگا، ہاں ہلکا سا خراب ہوا ہو اور بدبو بھی محسوس نہیں ہوتی ہو تو بوقت ضرورت اس کے کھانے کی اجازت ہے۔" وان ناول الطعام الفاسد او الخبز المحترق فذالک جائز عندھم لانہ ماذون بذلک عادۃ"۔ (فتاوی قاضیخان علی ھامش الفتاوی الھندیۃ ج ۳ ص ۴۰۶، فتاوی زکریا ج ۶ ص ۵۷۷)

گرم طعام یا مشروب استعمال کرنے کا حکم

سوال:۔ بہت گرم کھانا یا مشروب کا کیا حکم ہے؟ اگر مکروہ ہے تو گرم چائے پینے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ بعض آحادیث اور کتب فقہ سے گرم کھانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہے کہ تیز گرم کھایا جائے کہ ہاتھ، منہ وغیرہ جلے اور تکلیف ہو، لیکن ہلکا گرم کھانا جائز اور درست ہے خصوصا وہ اشیاء جن کی لذت ہی گرم ہونے میں ہے مثلا چائے، کافی، پلاؤ، نہاری وغیرہ تو ان اشیاء کو ہلکا گرم استعمال کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔{وعن ابی ھریرہ ان النبی ﷺ اتی بصحفۃ تفور فاسرع یدہ ثم رفع یدہ فقال: ان اللہ عزو جل لم یطعمنا نارا}(رواہ الطبرانی فی الصغیر والوسط ۱۲، ۷)

{وعن ابی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ: ابردوا الطعام فان الطعام الحار غیر ذی برکة}(رواه الطبرانی فی الاوسط رقم ۶۲۰۹)

ابن ماجہ کی روایت سے پتہ چلتا کہ آنحضرت ﷺ نے گرم کھانا تناول فرمایا اور اس کو نعمت فرمایا (یہ ہلکا گرم تھا)

{ومن السنة ان لا یاکل من وسط القصعة۔۔۔ولا یاکل الطعام حارا ولا یشمه}(فتاوی الشامی ج۶ ص ۳۴۴ سعید)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

گرم کھانا جو برداشت نہ ہوسکے اس سے منع کیا گیا ہے اور جو برداشت ہوسکے اس سے منع نہیں کیا گیا ہے، ورنہ روٹی، سالن، چائے سبھی گرم کھائی جاتی ہے اور ٹھنڈا کرنے سے اس کی لذت اور خاصیت میں فرق آجاتا ہے یہی حال چائے کا ہے، ٹھنڈا کرنے کے بعد وہ چائے نہیں رہے گی، بلکہ شربت بن جائے گی، شروح حدیث سے یہی تفصیل مستفاد ہوتی ہے۔(فتاوی محمودیہ ۱۸۔۔۹۰ جامعہ فاروقیہ)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

کچھ گرم ہوتو مکروہ نہیں، ہاں زیادہ گرم ہوتو مکروہ ہے، مگر جو چیز ایسی ہو کہ سرد ہوجانے سے اس کا فائدہ یا ذائقہ ختم ہوجائے تو مکروہ نہیں، جیسے چائے کافی وغیرہ۔(فتاوی رحیمیہ ۵۔۔۳۶۸ ط دیوبند)

حضرت مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں:

حدیث میں} ابردوا بالطعام{اس سے معلوم ہوا کہ بہت گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی اس لئے خلاف اولی ہے مگر ناجائز نہیں کہہ سکتے اور چائے یا اور ایسی چیزیں جن سے مقصود ہی گرمی حاصل کرنا ہے اس سے مستثنی ہے، بلکہ درحقیقت اس حدیث کے مفہوم میں داخل ہی نہیں۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۸۰۷)

شمائل کبری میں ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے گرم کھانے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ مناسب ہو جائے (یعنی کھانے کے لائق ہو جائے) (کنز العمال ۱۹۔۔۱۸۸)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ آپ ﷺ گرم کھانے کو پسند نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ اس سے بھاپ نکل جائے۔یعنی ایسا گرم کھانا جس سے بھاپ نکل رہی ہو (جمع الفوائد، مجمع ۵۔۔۲۲)

ایسا تیز گرم کھانا جس سے بھاپ نکل رہی ہو اور ہاتھ اور منہ کے جلنے یا تکلیف کا اندیشہ ہو کھانا ممنوع ہے پھر یہ کہ ایسے کھانے میں لذت بھی حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ منہ جلنے کی وجہ سے انسان جلد نگلنا چاہے گا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کھانا ٹھنڈا ہونے دو اس میں برکت زائد ہوتی ہے۔(کنز العمال ۱۹۔۔۱۷)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس جب گرم ثرید لایا جاتا تو اسے ڈھانک رکھنے کا حکم دیتی تو اسے ڈھک دیا جاتا یہاں تک کہ اس کی بھاپ ختم ہو جاتی اور یہ کہتی کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ (ٹھنڈا کر کے) کھانا بڑی برکت کا باعث ہے (مشکوۃ ص ۳۶۸)

فائدہ:۔اس سے معلوم ہوا کہ گرم کھانا نہیں کھانا چاہیئے (گرم آجائے تو اسے ٹھنڈا ہونے دیا جائے۔گرم سے مراد وہ گرم ہے جو منہ اور ہاتھ کو تکلیف دیں اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے آگ نہیں کھلائی، اس سے تیز گرم کا مفہوم واضح ہے۔البتہ چائے اس ممانعت سے مستثنی ہے کیونکہ اس کا گرم ہی پینا نافع ہے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت سے معلوم ہوا کہ معتدل گرم کھانا ممنوع نہیں چنانچہ جو کھانا گرم ہی لذیذ ہوتے ہیں مثلاً پلاو، نہاری، وغیرہ ان کو معتدل گرم کھانا خلاف سنت نہ ہوگا۔ (شمائل کبریٰ ا۔۴۴۔۔۴۵، فتاوی زکریا ج۶ ص ۶۵۷)

بہشتی زیور میں ہے:

کہ بہت جلتا ہوا کھانا مت کھا (وہاں اگر وہ کھانا ایسا ہو کہ ٹھنڈا ہو کر بدمزا ہو جائے گا تو اس کے گرم ہونے کی حالت میں بھی کھا لینے کا کچھ ڈر نہیں) (بہشتی زیور حصہ ۷ ص ۹)

جنات کو قید کرنے یا جلانے کا حکم

اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ اگر جنات کا اثر ان کو جلائے بغیر زائل ہو سکتا ہو مثلاً دم کرنے یا دعا کرنے سے یا ان کو مار کر یا دھمکا کر، تب تو قتل کرنا یا جلانا جائز نہیں، لیکن اگر وہ مذکورہ طریقوں سے نہ جائے تو قید کرنا یا قتل کرنا یا جلانا جائز ہے، البتہ عامل کو یہ چاہئے کہ پہلے نرم طریقے استعمال کرے اور جب اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ یہ جن جلائے بغیر نہیں جائے گا، تب جلانے کا اقدام کرے،

علامہ بدرالدین شبلی حنفیؒ اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابوالعباس ابن شیبہؒ کے اس قول کی تصدیق کرتے ہیں کہ:

"یجوز بل یستحب و قد یجب ان یذب عن المظلوم و ان ینصر فان نصر المظلوم مامور بہ بحسب الامکان و اذا برئ المصاب بالدعاء والذکر و امر الجن و نھیھم و انتھارھم و سبھم و لعنھم و نحو ذالک من الکلام حصل المقصود، و ان کان ذالک یتضمن مریض طائفۃ من الجن او موتھم فھم الظالمون لنفسھم اذا کان الاقی الداعی المعالج لم یتعد علیھم کما یتعدی علیھم کثیر من اھل العزائم فیأمرون بقتل من لا یجوز قتلہ"۔

(اکام المرجان فی غرائب الاخبار و احکام الجان۔ص ۱۱۱۔باب ۵۳، طبع نور

محمد کارخانہ)۔

جنات کو جلانا جائز بلکہ مستحب ہے اور کبھی کبھی مظلوم سے ظلم کو رفع کرنے کیلئے واجب بھی ہوجاتا ہے۔ کیونکہ مظلوم کی مدد کرنا مور بہ ہے طاقت کے مطابق ۔اور جب بیمار دعا ،ذکر ،جنات کو حکم کرنے یا اُن کو منع کرنے یا اُن کو جھڑکنے،اُن کو برا بھلا کہنے،اُن پر لعنت بھیجنے یا اس قسم کی دیگر چیزوں سے اُن کو بھگا یا جاسکتا ہوں تو اس سے مقصود حاصل ہوجاتی ہے۔اگر اس علاج میں مریض کی موت ہوجائے یا جنات کی تو وہ خود اپنے اُوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہونگے جبکہ معالج نے اُن پر زیادتی نہ کی ہو جیسا کہ اُن پر اکثر عزیمتوں کو پڑھنے والے کرتے ہیں اور وہ اُن کی قتل کا حکم کرتے ہیں جنکا قتل کرنا جائز نہیں ہوتا۔(تر۔الاعظمی)

آگے علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں

فحاصل انه متى حصل المقصود بالاهون لا يصار الى ما فوقه و متى احتيج الى الضرب و ما هو اشد منه صير اليه ۔۔۔۔قتل عائشة رضي الله عنها الجنى الذى كان لا يزال يطلع فى بيتها ۔(اكام المرجان فى غرائب الاخبار و احكام الجان ۔ص:١١٣)

پس خلاصہ یہ ہے کہ جب معمولی عمل سے مقصود حاصل ہوجاتا ہو تو پھر اُس سے اُوپر بڑا عمل کرنے کی طرف نہ جایا جائے۔اور جب مار پیٹ کی ضرورت ہو یا اس سے بھی بڑھ کر عمل کرنے کی تو اُس کو اختیار کیا جائے گا۔حضرت عائشہؓ نے بھی ایک جن کو قتل کردیا تھا جو اُن کے گھر میں ہمیشہ تانک جھانک کرتا رہتا تھا۔(تر۔الاعظمی)

اورانہوں نے صفحہ:٢٠ پر باب ٦ کے تحت سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے ایک جن کو قتل کیا تھا،اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ جن کو جلانے کے بارے

میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر کسی تدبیر سے پیچھا نہ چھوڑے تو درست ہے، بہتر ہے کہ اس تعویذ میں یہ عبارت لکھ دیں کہ اگر نہ جائے تو جائے"۔ (فتاوی عثمانی ج ا ص ۲۶۸)

فتاوی اردو دارالافتاء دیوبند میں ہے۔ (جنات کو) اگر اسکو بھگانے کی کوئی شکل نہ ہو تو ضرورۃ اس کو جلا سکتے ہیں، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک جن تھا جو اُن کو پریشان کرتا تھا، یہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دوات و کاغذ منگا کر اس پر کچھ لکھا یا اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس کو گھر لٹکا دو، جب انہیں لٹکایا تو ایک چیخ سنی کہ اے ابودجانہ! تو نے ہمیں جلا دیا۔ امام سیوطیؒ نے اس حدیث کی خصائص کبری میں نقل کیا ہے ۔(سوال نمبر ۲۲۰۸۳ فتاوی اردو دارالافتاء دیوبند انڈیا ویب)

جلے ہوئے شخص کو

ملنے والی رقم میراث کا حصہ ہے یا نہیں

بعض فیکڑیوں یا دوکانوں میں آگ لگ جاتا ہے، اور اس فوت ہونے والوں کے لواحقین کو حکومت نے بطور امداد رقم دی ہی۔ اب اس مالی امداد کو مرنے والے لوگوں کے ترکہ میں شمار کیا جائے گا اور سب ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا؟ یا حکومت نے جن لواحقین نے نام رقم جاری کی ہے یہ رقم انہی کا حق ہوگی؟

شرعاً اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں دیکھا جائے گا کہ حکومت نے یہ مالی امداد مرنے والے کے نام پر جاری کی ہے یا اس کے ورثاء میں سے کسی خاص فرد مثلاً بیوی یا والد یا بیٹے کے نام پر جاری کی ہے اگر مرنے والے کے نام پر جاری کی ہو تو یہ رقم سب ورثاء میں میراث کے حصوں کے مطابق تقسیم کی جائے گی اور اگر کسی خاص رشتہ دار مثلاً بیوی یا والد یا بیٹے وغیرہ کے نام پر جاری کی ہے تو وہ صرف اسی وارث کو ملے گی جس کے نام پر جاری کی گئی ہے دوسرے ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا۔ (وراثت اور مشترکہ ترکہ کے شرعی احکام ص ۱۱۳)

برقی ٹینس سے مچھروں کو مارنا

کرنٹ والے بلے کو ہلا کر مچھروں کو مارنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں بلاضرورت جاندار کو آگ سے جلانا لازم آتا ہے، جس کی حدیث میں ممانعت ہے اور مچھروں کو دفع کرنے کی اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تدبیریں موجود اور مؤثر ہیں انہیں استعمال میں لانا چاہیے مثلاً مچھر دانی، کچھوا چھاپ، یا الاوٹ وغیرہ البتہ اگر کرنٹ والی مشین کسی جگہ رکھی ہے اور مچھر وہاں جا کر خود بخود مرتے رہیں تو اس میں حرج معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ یہاں جلانا نہیں پایا جا رہا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے کہیں آگ جل رہی ہو اور اس میں پروانے جا کر خود بخود جل جائیں۔ (کتاب النوازل ج ۱۴ ص ۴۵۰)

بابـــ سوم

متفـــرقـاتـــ

فصـــل اول

جلنے جـلانے سے متعلق واقعـاتـــ

حجــر اسود جلنے سے محفوظ ہوگیـا

حجر اسود: ۳۱۷ھ میں جب مکہ مکرمہ قرامطہ کے دست تصرف میں آیا، تو ابوطاہر سلیمان بن الحسن نے جو قرامطہ کا سردار تھا، حرم محترم میں خون کی ہولی کھیلی۔ ۸ر ذوالحجہ ۳۱۷ھ کو اس قدر قتل عام کیا کہ حجاج کی لاشوں سے چاہ زمزم بھر گیا، شہر اور مضافات کے تیس ہزار بے قصور افراد کو نیند سلا دیا، جن میں سترہ سو حاجی اور سات سو طواف کرنے والے بھی شہید ہو گئے، اس نے یہ سارا کھیل میزاب رحمت یعنی کعبہ شریف کا پرنالہ جو سونے کا تھا، اُکھاڑنے، مقام ابراہیم اور حجر اسود چوری کرنے کی نامشکور جسارت کیلئے کھیلا تھا۔

دو آدمی اس مذموم حرکت کیلئے کعبہ شریف پر چڑھے، مگر آن واحد میں سر کے بل زمین پر گر کر واصل جہنم ہو گئے، مقام ابراہیم تو اس کے دست تصرف سے مامون رہا، کیونکہ خُدام حرم نے اُسے پہاڑ کی گھاٹی میں کہیں چھپا دیا تھا، مگر ۱۴ر ذوالحجہ ۳۱۷ھ بروز اتوار عصر کے وقت جعفر بن حلاج نے ابوطاہر کے حکم سے حجر اسود کو کدال سے اُکھاڑ لیا، اس پر کئی ضربیں لگائیں جس سے کچھ ریزے ٹوٹ گئے اور اپنے ساتھ بحرین لے گئے اور اس کی جگہ خالی رہ گئی، تقریباً بائیس سال کا طویل زمانہ گزر جانے کے بعد بحرین کے شہر ''ہجر'' سے بروز بدھ ۱۰ر ذوالحجہ ۳۳۹ھ کو یہ مبارک پتھر واپس ہوا، واپسی بھی معجزنما تھی، اور قرامطیوں سے بار بار واپسی کا مطالبہ جب زور پکڑ گیا تو انہوں نے یہ عذر لنگ پیش کیا کہ وہ پتھر تو دوسروں میں مل گیا ہے، ان میں سے

اُسے الگ کرنا ہمارے بس کا روک نہیں ،اگر تمہارے پاس اس کی کوئی علامت ہے تو تلاش کرلو، چنانچہ علماء کرام سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ان سب پتھروں کو آگ میں ڈالا جائے، جو پتھر آگ میں پگھل یا پھٹ جائیں وہ حجر اسود نہیں، حجر اسود کو آگ متاثر نہیں کرسکتی ،کیونکہ یہ جنت کا پتھر ہے۔اس طرح اس مقدس پتھر کی برتری اور مقبولیت کالوہا منوا کراُسے واپس لوٹایا گیا اور پھر سے کعبہ شریف کی زینت بنادیا گیا۔علامہ جلال دین سیوطیؒ نے لکھا ہے ''یہ ظالم ابوطاہر چیچک کے عارضہ میں مبتلا ہوا اس کا جسم پھٹ گیا اور نہایت ذلت کے ساتھ مرا۔(ماہنامہ بینات حجر اسود۔۔۔تاریخ ومقام)مفتی انعام الحق قاسمی [ربیع الثانی ۱۴۳۸)

قرآن مجید جلنے سے محفوظ ہوگیا

تفسیر ابن عطیہ میں نقل کیا ہے کہ :

قَال سهيل بن ابيالجعد:احترق مصحف فلم يبق منه الاقوله {الاالى الله تصير الامور}۔

ترجمہ: سہیل بن ابی الجعد سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہمارے ہاں قرآن مجید جل گیا لیکن یہ ایت باقی رہ گیا۔{الا الی اللہ تصیر الامور}۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک نسخہ قرآن مجید کا غرق آب ہوگیا تھا تب بھی یہ ایت محفوظ رہی، باقی سب آیتیں محو ہوگئی تھیں۔(حیات الحیوان ج ۲ ص ۲۸۷ بحوالہ تفسیر ابن عطیہ ج ۵ ص ۴۴ سورت شوری ایت ۵۳)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کتابوں کو جلایا

جب حسن بصری رحمہ اللہ نے محسوس کیا کہ ان کا وقت اجل قریب آچکا ہے تو اس نے اپنے خادم سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک تندور میں آگ بھڑکا دے۔آپ کی چند کتابیں اور صحیفے تھے،آپ نے

ان سب کے جلانے کا حکم دیا، سوائے ایک صحیفے کے باقی سب کو کچھ جلا دیا گیا۔ یہ صحیفہ آپ کے صاحبزادے کے پاس رہا، یہاں تک کہ مسلم بن حصین باہلی نے آپ سے عاریۃً لے لیا، لیکن اس کے بارے میں کوئی معلومات نہیں کہ اس میں کیا تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ کا اپنی کتابوں کو جلانا ورع تقویٰ کی وجہ سے تھا، کیونکہ آپ کو کھٹکا تھا کہیں اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مخالف ہو، اسی طرح گویا آپ یہ چاہتے تھے کہ خدا کے حضور خود کو بری کر دیں۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے (شیخ الحدیث والتفسیر ڈاکٹر سید شیر علی شاہ مدنی) شاید آپ نے ایسا اس لئے کیا کہ وہ اس میں مشغول ہو جائیں گے اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ بیٹھیں گے، اس لئے آپ کی طرف نسبت ہوگی کہ آپ نے لوگوں کو کتاب اللہ وسنت سے روکا۔ باوجود اس کے آپ نے اپنے تلامذہ کو اپنے پیچھے چھوڑا، جو آپ کے علم وفقہ کے حاملین بنے اور لوگوں کو اس کی تبلیغ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ بعض نے امام کی زندگی میں ان سے ان کے صحیفے کا مطالبہ کیا۔ پھر اپنے لئے نقل کرانے کے بعد ان کو واپس لوٹا دیا۔ (امام حسن بصری رحمہ اللہ احوال وآثار ص ۳۱۸)

علامہ ابن جوزیؒ نے قلم کے تراشوں کو جلنے کی وصیت فرمائی

بعض مورخین کا بیان ہے کہ انہوں (علامہ ابن جوزیؒ) نے انتقال کے وقت وصیت کی کہ ان کے غسل کا پانی اس کترن اور برادہ سے گرم کیا جائے جو حدیث کے لکھنے کے لئے قلم بناتے میں جمع ہو گیا تھا، چنانچہ وہ اتنا تھا کہ پانی گرم ہو گیا۔ (ابن خلکان ج ۳ ص ۳۲۱، نفیس پھول اردو ترجمہ صید الخاطر ص ۱۴)

عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اس کو نہ جلایا جائے لیکن برکت کی وجہ کچھ اور ہے۔

قاعدہ

"ویجوز رمی برایة القلم الجدید ولا ترمی برایة المستعمل لاحترامه کحشیش المسجد وکناسته لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم کذا فی القنیة" (عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۴)

قلم کے تراشوں کا پھینکنا جائز ہے جب کہ نیا ہو اور مستعمل ہو تو درست نہیں ہے لائق احترام ہونے کی وجہ سے۔ جیسے مسجد کی خشک گھاس اور اس کا جھاڑا ہوا کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالنا چاہیئے جو مخل تعظیم ہو یہ قنیہ میں ہے۔

ہدم الحبانی سے چند واقعات

"عن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال "من وجدتموہ غل فی سبیل اللہ فاحرقوا متاعه)۔۔۔فوجد رجلاً قد غل فحدث سالم بھذا الحدیث فامر به، فاحرق متاعه، فوجد فی متاعه مصحف فقال سالم بع ھذا وتصدق بثمنه{(سنن ترمذی حدیث نمبر ۱۴۶۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ان کے پاس حمص کے لوگ گزرے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا: تمھارے امیر (عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ) کیسے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا: بہترا میر ہے، بس ایک بات ہے کہ انہوں نے ایک بالا خانہ بنالیا ہے جس میں رہتے ہیں۔اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس امیر کو خط لکھا اور اپنا قاصد بھی ساتھ بھیجا اور اس قاصد کو حکم دیا کہ وہاں جا کر اس بالا خانہ کو جلا دے۔جب قاصد وہاں پہنچا تو اس نے لکڑی جمع کر کے اس بالا خانہ کے دروازے کو آگ لگا دی۔جب یہ بات اس امیر کو بتائی گئی تو اس نے کہا اسے کچھ مت کہو، یہ (امیر المؤمنین کا بھیجا ہوا) قاصد ہے۔پھر اس قاصد نے ان کو (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کا خط دیا۔وہ خط پڑھتے ہی سوار ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف چل

دیے۔(حیاۃ صحابہ ج۲ ص ۱۰۳)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ سعد بن ابی وقاص نے ایک محل بنوایا ہے اور اس پر دروازہ بھی لگوایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اب (بازار کا) شور ختم ہو گیا ہے۔ (یہ محل انہوں نے اسی وجہ سے بنایا تھا کہ بازار کی آوازیں بہت آتی تھیں جس کی وجہ سے یہ کام صحیح طرح نہیں کر سکتے تھے) چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد بن مَسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی مرضی کے مطابق کام کروانا ہوتا تھا تو ان کو ہی بھیجا کرتے تھے۔ اور ان سے فرمایا: سعد کے پاس جاؤ اور ان (کے محل) کا دروازہ جلا دو۔ چنانچہ حضرت محمد بن مَسلمہ رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچ گئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر پہنچتے ہی اپنی چقماق نکالی اور اس سے آگ جلائی پھر دروازہ کو آگ لگا دی، لوگوں نے آکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اطلاع اور آگ لگانے والا کا حلیہ بیان کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کو پہچان گئے اور ان کے پاس باہر آئے۔ حضرت محمد بن مَسلمہ نے ان سے کہا: امیر مؤمنین کو آپ کی طرف سے یہ بات پہنچی ہے، کہ آپ نے کہا ہے کہ اب شور آنا ختم ہو گیا ہے۔ اس میں یہ مضمون (بھی) ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنا دربان مقرر کر لیا ہے، اور لوگوں سے الگ رہتے ہیں۔ اور اپنا دروازہ بند رکھتے ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمار بن یاسر کو بھیجا اور ان سے فرمایا جب تم وہاں پہنچو اور تم کو سعد کا دروازہ بند ملے تو تم اس کو آگ لگا دینا۔

(حیاۃ صحابہ۔ ج۲ ص ۱۰۸)

حضرت زُبید بن صلت کہتے ہیں: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا! اے لوگوں! جُوا کھیلنے سے بچو یعنی نرد نہ کھیلا کرو، کیوں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگوں کے گھروں میں نرد کھیل کے آلات ہیں، اس لیے جس کے گھر میں یہ آلات موجود ہیں وہ یا تو انہیں جلا دے یا توڑ دے

دوسری مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا: اے لوگوں میں نے اس نرد کھیل کے بارے میں بات کی تھی، لیکن ایسا نظر آرہا ہے کہ تم لوگوں نے اس کھیل کے آلات کو گھروں سے ابھی نہیں نکالا ہے، اس لیے میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ حکم دے کر لکڑیوں کے گٹھڑ جمع کرالوں اور جن گھروں میں یہ آلات ہیں ان سب کو آگ لگادوں. (حیاۃ صحابہ ج ۲ ص ۱۰۸)

ابن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے ذم الملاہی میں یہ روایت نقل کیا ہے، کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ ہم نے عرب کی بعض بستیوں میں ایک آدمی کو پایا وہ نکاح کرتا ہے جیسے عورتیں نکاح کرتی ہیں اور انہوں نے اس پر گواہ بھی قائم کردیئے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے مشورہ فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایسا گناہ ہے کہ امتوں میں سے کسی امت نے اس کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی نہیں کی سوائے ایک امت کے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ جو معاملہ فرمایا تم جانتے ہو میرا یہ خیال ہے کہ اس کو آگ میں جلایا دیا جائے چنانچہ نبی علیہ السلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات پر جمع ہوگئے کہ اس کو آگ میں جلادیا جائے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کی طرف لکھا کہ اس کو آگ میں جلادو پھر ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی امارت میں ان کو جلایا پھر ہشام بن عبد الملک نے بھی ان کو جلایا۔ (تفسیر درمنثور ۱۵۶۰)

فارس کا آتش گدہ بجھ گیا

وخمدت نار فارس لم تخمد قبل ذلک بالف عام۔

اور فارس کی آتش گدہ بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے برابر روشن تھا کہ کبھی نہ بجھا تھا۔ (سبیل الهدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ج ۱ ص ۳۵۸)

فارس فرس کی طرح اسم علم ہے۔ عجموں کی ایک قبیلہ کا نام ہے جو کہ مجوس تھے آگ کی پرستش کرتے تھے، اور آگ کے کمروں میں ایک کعبہ تھی یہ مجوس اس پر نگرانی کرتے تھے اور اس کی

آگ بھڑکانے کے لئے باری باری کرتے تھے پر اس کے شعلے نہ کسی دن، نہ کسی رات میں بجھ گئی تھی۔ مگر حضور ﷺ کر پیدائش کی رات میں وہ بجھ گئی تو انہوں نے اس آگ کو بھڑکایا لیکن وہ نہیں بھڑکا۔ اور یہاں پر آگ بھڑکانے سے نفی کے باوجود اس کے کہ انہوں نے آگ بھڑکانے میں باری باری کرنے لگے تھے۔ تو یہ عجیب نشانی ہے، اور اگر انہوں نے اس کے بھڑکانے میں باری باری نہیں کئے تھے تو اس میں حضور ﷺ کی پیدائش کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ اور بجنا اتفاقا واقعہ ہو گیا ہو۔ اور یہ آگ بجھ گئی تھی باوجود اس کے کہ وہ اس کو بھڑکاتے تھے اور اس سے پہلے ہزار سال میں یہ نہیں بجھ گئی تھی اور یہ مجوس کا آگ کے فرستش کرنے کا مدت ہے۔ (سبیل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ج ۱ ص ۳۵۸)

مسلمان ہونے سے آگ بجھ گئی

فضائل ذکر میں شیخ الحدیث صاحب نے ایک کافر بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ نہایت متشدد، متعصب تھا اتفاق سے مسلمانوں کی ایک لڑائی میں گرفتار ہو گیا چونکہ مسلمانوں کو اس سے تکلیفیں بہت پہنچی تھی اس لئے انتقام کا جوش ان میں بھی بہت تھا۔ اس کو ایک دیگ میں ڈال کر آگ پر رکھ دیا اس نے اول اپنے بتوں کو پکارنا شروع کیا اور مدد چاہی جب کچھ بن نہ پڑا تو وہی مسلمان ہوا، اور لا الہ اللہ کا ورد شروع کیا لگاتار پڑھ رہا تھا اور ایسی حالت میں جس خلوص اور جوش سے پڑھا جا سکتا ہے ظاہر ہے۔ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی اور اس زور سے بارش ہوئی کہ وہ ساری آگ بھی بجھ گئی اور دیگ ٹھنڈی ہو گئی اس کے بعد زور سے آندھی چلی جس سے وہ دیگ اُڑی اور دور کسی شہر میں جہاں سب ہی کافر تھے جا کر گری۔ یہ شخص لگاتار کلمہ طیبہ پڑھ رہا تھا، لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور عجوبہ دیکھ کر متحیر تھے۔ اس سے حال دریافت کیا اس نے اپنی سرگزشت سنائی جس سے وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ (فضائل اعمال فضائل ذکر حدیث نمبر ۲۳)

مینڈک نے ابراہیم علیہ السلام سے آگ بجھادی

تفسیر درمنثور میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اسول اللہ ﷺ نے فرمایا مینڈک کو برا بھلامت کہو کیونکہ اس کی آواز تسبیح تقدیس اور تکبیر ہوتی ہے۔ جانوروں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ ابراہیم علیہ السلام سے آگ بجھائیں تو مینڈک کو اجازت دی گی پس جب آگ پرتہہ بہ تہہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آگ کے سمندر کو پانی کی ٹھنڈک میں بدل دیا۔ (تفسیر درمنثور سورت انبیاء ایت ۶۹)

فصل دوم

مسنون دعائیں برائے حفاظت

آگ سے بچنے کا وظیفہ

حضرت طلق فرماتے ہیں کہ ایک شخص ابو درداء صحابی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا مکان جل گیا، فرمایا نہیں جلا۔ پھر دوسرے شخص یہی اطلاع دی تو فرمایا نہیں جلا۔ پھر تیسرے آدمی نے یہی خبر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ
نے فرمایا نہیں۔ پھر ایک اور شخص نے آکر کہا کہ ابوالدرداء آگ کے شرارے بہت بلند ہوئے مگر جب آپ رضی اللہ عنہ کے مکان تک آگ پہنچی تو بجھ گئی۔ فرمایا مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا۔ کہ میرا مکان جل جائے، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھ لے، شام تک اسکو کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی۔ (میں نے یہ کلمات پڑھے تھے، اس لئے مجھے یقین تھا کہ میرا مکان نہیں جل سکتا)۔

وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَنتَ رَبِّی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنتَ عَلَیکَ تَوَکَّلتُ وَاَنتَ رَبُّ العرش الکریم، ما شآءَ اللّٰہُ کان وما لم یشاء لم یکن، ولا حول ولا قوۃ الآ باللہ العلیّ العظیم

۔اعلم انّ اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔ و انّ قد احاط بکلّی شیءٍ علما۔ اللّٰھم انی اعوذ بک من شرّ نفسی، ومن شرّ کلّی دآبۃ انت اخذ بنا صیتھاآن ربی علی صراط مستقیم۔

جب جلنے سے بچ تو کیا کرے؟

جب جلنے سے محفوظ ہو جائے تو سجدہ شکر کریں۔

"ویسن سجود الشکر عند اندفاع النقم کمن نجا من غرق او حرق او قتل اولصوص ونحو ذلک"۔

ترجمہ: سجدہ شکر مسنون ہے جب کوئی مصیبت ٹل جائے، جیسا کہ ڈوبنے، جلنے، قتل، چور سے نجات پائے، یا اس جیسا اور کوئی مصیبت سے بچ جائے۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ مجموعۃ من الباحثین۔ ج ا ص ۲۰۳۔)

جلے ہوئے شخص کو دم کرنے کی دعا

جلے ہوئے پر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے دم کرے۔

}اذھب البأس رب الناس اشف انت الشافی لا شافی الا انت{ (ص۔۱۴۴)

ترجمہ: اے انسانوں کے پالنے والے! تکلیف دور فرما اور شفاء دے، تو ہی شفاء دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شفاء دینے والا نہیں۔ (نسائی، احمد، عن محمد بن حاطبؓ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جل جانے سے پناہ مانگی ہے

حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے

}اللھم انی اَعوذ بک منَ التَرَدِّی و الھَد مِ وَ الغَرَقِ و الحَریقِ و اَعوذ بک اَنَ

یَتَخَبطَنِی الشیطان عند الموت واعوذبک اَن اَموتَ فی سبیلک۔
مُدبرلَواعوذبک اَن اَموتَ لدیغاً[

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کسی چیز کے نیچے آنے سے، اونچی جگہ سے گرنے سے، ڈوبنے اور جلنے سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ موت کے وقت شیطان مجھے خبطی بنائے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیری راہ میں جہاد سے بھاگتا ہوا مروں، اور اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے مجھے موت آئے۔ (معارف القرآن ج ص ۸۷، بحوالہ سنن النسائی حدیث نمبر ۱۵۵۳)

آگ بجھانے کی دعا

}استعینوا علی اطفاء الحریق بالتکبیر{ (کشف الخفاء ومزیل الالباس حدیث نمبر ۲۳۴)

جب آگ لگتی دیکھے تو اس کو اللہ اکبر کہہ کر بجھائے۔ (ابو یعلی، عن ابی ھریرۃؓ، ابن سنی عن ابن عمرؓ)

مصنفؒ کہتے ہیں یہ عمل مجرب ہے۔ (حصن حصین، قول متین۔۴۳۵) اذارایتم الحریق فکبروا، فانہ یطفئہ{ (کشف الخفاء ومزیل الالباس حدیث نمبر ۲۳۴)

جب آدمی جلنے اور ڈوبنے سے ڈر جائے تو ان آیاتوں کا ورد کرے ''سورت اعراف''

{اِن ولِیِّیَ اللہُ الذی نَزَّل الکتٰب وھو یتولّی الصٰلحین} (ایت نمبر ۱۹۶، سورت زمر)

{وَما قَدرواللہَ حق قَدرہٖ والارضُ جمیعاًقبضتُہٗ یوم القیامۃِ والسمٰوٰتُ مطوِیّٰتٌ بیمینہٖ سبحٰنہٗ وتعٰلی عمّا یشرکون } ایت نمبر ۶۷۔ (شرعۃ الاسلام ص ۲۸۰)

فائدہ: ''اربعۃاشیاءلایستقلقلیلھا:المرض،والنار،والدین،والعداوۃ''۔ (لباب

الآداب لاسامة بن منقذ ج ا ص ۴۶)

چار چیزیں ان کا کم بھی کم نہ سمجھنا (۱) مرض (۲) آگ (۳) قرض (۴) دشمنی۔

فصل سوم

آگ سے بچنے کیلئے احتیاطی تدابیر

تمہید

بعض ذمہ داریاں شخصی ہوتی ہیں اور بعض ذمہ داریاں حکومت وقت نے اپنے ذمہ لے رکھی ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک اپنی ذمہ داریوں کو پوری کرنے کا مکلف ہے۔

خطرات کے انسداد کے لئے مختلف قسم کی تدبیریں بتادی جاتی ہیں۔ لیکن موقع ومحل کے تقاضہ کے مطابق کہ یہ ذمہ داری شخصی وانفرادی ہے یا اجتماعی وسرکاری ہے۔ اور ہنگامی حالات کا کیسے مقابلہ کرنا ہے۔

موجودہ دور نے بڑی ترقی کر لی ہے۔ ادھر معاشرہ واجتماع کی حالت بہت بدل چکی ہے۔ آبادی اور اس کے گوناگوں مسائل بڑی حد تک ''پر پیچ'' بن گئے ہیں۔ قدیم زمانہ میں جو کام پرائیویٹ کئے جاتے تھے، اب ان کا سرکاری سطح پر کیا جانا ناگزیر بن گیا ہے، اور جو ''پرائیویٹ'' باقی بھی رہیں نہ وہ جذبہ، وخدمت، وہ ایثار ہے اور قانونی پابندی دوسری ہے۔

دفاعی تدابیر اجتماعی یا انفرادی طور ''جہاں آگ بھڑکنے کا خدشہ ہو'' اپنی جان ومال اولاد اپنی پڑوسیوں کی مال جان کی حفاظت کیلئے قدم بڑا ھنا اور آگ پر قابوں پالینا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ یہاں تک کہ فرض نماز توڑنا بھی اس خدمت کیلئے جائز ہے۔ الاشباہ والنظائر میں قاعدہ ہے ''یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام'' بڑے نقصان سے بچنے کے واسطے چھوٹا نقصان برداشت کرنا آسان ہے۔ (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص ۸۷)

گیس، جہاز میں چھتری، عملہ کا فون نمبر، پہلے سے رکھنا چاہئے ہنگامی حالات سے بچنے اور مستقبل

کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے یہ دنیا دارالاسباب ہے یہاں اسباب سے بے نیاز ہو کر زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ اسی لئے اسلام نے اسباب کو اختیار کرنے کی ہدایت دی ہے اور ترک اسباب سے روکا ہے۔ ایک صاحب نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا۔

کیا اللہ تعالیٰ پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی اونٹنی کو کھلا چھوڑ دوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: { اعقلها وتوکل } (اپنی اونٹنی کو باندھو، پھر توکل کرو (سنن ترمذی حدیث نمبر ۲۵۱۷)

اس لئے سبب کے درجہ میں آئندہ کے لئے احتیاطی تدابیر توکل وایمان کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ اسلام آیا تو اس نے انسانی حقوق کی پاسداری اور ادائی کا ایک نظام بھی اپنے دور آغاز ہی سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تعاون اپنے وسیع معنی میں اسلامی سوسائٹی کی بنیاد ہے۔ اس میں مالی، بدنی، اخلاقی ہر قسم کا تعاون داخل ہے۔ اسلامی سوسائٹی میں جس طرح مصیبت کے وقت تعاون مطلوب ہے۔ اسی طرح خطرات کے پیش نظر بندہ کے لئے بھی تعاون پسندیدہ چیز ہے۔ خطرہ جان کو درپیش ہو یا مال کو، جسمانی صحت متاثر ہوتی ہے۔ کسی بھی قسم کا خطرہ ہو، اگر اس کی پیش بندی کیلئے جائز طریقہ اختیار کیا جاتا ہے تو اس میں ایک دوسرے کا تعاون کیا جانا چاہئے۔ اس سے فرد کی زندگی اور جماعت کی ترقی وابستہ ہے۔

آگ لگنے کی صورت میں حفاظتی تدابیر

آگ لگنے کے واقعات پوری دنیا میں ہوتے رہتے ہیں۔ آگ میں جل کر مرنے کا صرف تصور ہی انتہائی حولناک ہے۔ لیکن جس پر یہ گزرتی ہے اس کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ اور پھر اس کے پیاروں پر کیا گزرتی ہوگی۔ پاکستان میں آئے روز آگ لگنے کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، جن سے قیمتی جانوں کے ساتھ املاک کا بھی بہت نقصان ہوتا ہے۔ کچھ دن قبل کراچی کے ہوٹل میں آگ لگنے سے کئی لوگ اپنی جان سے گئے۔ اسی طرح کراچی کے ہی ایک کپڑے بنانے

والے کارخانے لاہور میں ایل ڈی اے پلازہ کے نجی کاروباری ادارے کے دفتر اور ملک کے کئی شہروں میں آتش زدگی سے انسانی جانوں کی ضیاع اور مالی نقصان کی خبریں گردش کرتی ہے۔ گڈانی میں جہاز توڑنے کے مقام پر تین مرتبہ آگ ؛ گنے سے کئی انسان لقمہ اجل بنے۔ لیکن ان سب ہولناک واقعات کے باوجود کوئی سنجیدہ اقدامات نہیں کیئے گئے۔ تاکہ مستقبل میں ان کا سد باب ہو سکے، کیا زندہ انسان آگ میں جھلس کر اپنی جانیں دیتے رہیں گے۔ کیا ارباب اختیار اسے کوئی اہمیت نہیں دینگے۔ ۱۹۹۸ میں سوڈن کے دوسرے بڑے شہر گوتھن برگ میں آتش زدگی کا ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا، جس میں ۶۳ افراد جاں بحق ہوئے۔ حکومت نے مستقبل میں ایسے واقعات سے بچنے کیلئے منصوبہ بندی اور اہم اقدامات کیئے۔ جس کے نتیجے میں اب تک ویسا کوئی اور واقعہ رونما نہیں ہو۔ لندن میں ۱۶۶۶ میں آگ لگنے سے ہونے والے نقصانات کے بعد آگ بجانے والی گاڑیاں تیار کی گئیں۔ تمام مغربی مما لک میں ملکی سطح پر ایک اتھارٹی قائم ہے، جو بلدیاتی سطح پر آگ بجھانے کے اداروں کی رہنمائی کرتی ہے۔ زندہ اقوام اس طرح کے اقدامات کرتی ہے۔ سویڈن میں وزارت دفاع کے ماتحت ملکی سطح پر ایک اتھارٹی قائم ہے، جو ملک بھر میں قائم آگ بجانے کے اداروں کی سر پرستی اور رہنمائی کرتی ہے۔ ملک کے تمام تعلیمی اداروں دفاتر، کارخانوں، نجی اداروں، ہوٹلوں اور عرض تمام اداروں کے اہل کاروں کو آگ لگنے سے بچاؤ اور آتش زدگی کی صورت میں آگ بجانے کی معلومات اور تربیت دی جاتی ہے یہ تربیت تدریسی اور عملی نوعیت کی ہوتی ہے اور تین گھنٹوں کی لازمی تربیت ہر چار سال بعد دوبارہ لینا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر ادارے میں ملازمین میں سے ایک شخص آگ سے بچاؤ اور اس سے متعلقہ امور کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ تمام دفاتر، ہوٹلوں، تعلیمی اور دیگر اداروں میں گا ہے بگا ہے آگ لگنے کی صورت میں ہنگامی صورت حال اور بچاؤ کی مشقیں دہرائی جاتی ہے۔ یہ مشقیں نرسری سکول کے بچوں کو بھی کروائی جاتی ہیں۔ سویڈن میں کوئی گھر یا دفتر ایسا نہیں جہاں فائر

الارم نہ نصب ۔ ہو، حکومت نجی شعبہ اور عوام سب مل کے حفاظت اور آگاہی مہم کا حصہ ہے اور یہی صورت پاکستان میں بھی ہونی چاہیئے تاکہ انسانی جانیں آگ میں نہ جلیں۔

ماہرین، آگ کو پانچ اقسام میں تقسیم کرتے ہیں

(۱) پہلی آگ کی قسم وہ ہوتی ہے جس کا سبب کچھ ٹوس چیزیں ہوتی ہے۔ مثلا پلاسٹک، کاغذ، لکڑی وغیرہ

(۲) دوسری آگ کی قسم میں مائعات آتے ہیں مثال کے طور پر پٹرول، مٹی کا تیل وغیر

(۳) تیسری قسم اس آگ کی ہوتی ہے جو مختلف گیسوں کے نتیجے میں بھڑکتی ہے

(۴) چوتھی قسم کی لگنے والی آگ میں دھاتیں شامل ہوتی ہے جیسے ایلومینیم اور میگنیشیم وغیرہ

(۵) پانچویں اور آخری آگ کی قسم وہ ہے جو بجلی کے مختلف آلات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اب عوامی خیال یہ ہے کہ ہر آگ پر پانی پھینکو تو بجھ جائے گی اور یہی غلطی مزید نقصانات کا باعث بن جاتی ہے، اور حقیقت آگ کی اقسام کے لحاظ سے ہی آگ کو بجھانا ضروری ہوتا ہے۔

آگ کیسے لگتی ہے؟ (مضمون عشرت جاوید)

(شرح المجلہ، مادہ ۲۱، ۲۶ ص، ۲۴)

سونے سے پہلے آگ وغیرہ بجھا یا کرو

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں باب باندھا ہے "باب: لَا تُتْرَکُ النار فی البیت عند النوم" امام صاحب نے اس باب میں تین حدیثیں ذکر کیا ہے۔ اور تینوں آگ بجھانے کے بارے میں ہیں۔

(۱) }عَنِ النبيﷺ قال: لَا تُترکُ النار فیبیوتکم حین تنامون{

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سونے لگو تو اپنے گھروں میں آگ نہ رہنے دو۔

(۲)}عن ابي موسىٰ رضي الله عنه قال:أحترق بيت بالمدينة على اهله من الليل ،فحدث بشانهم ﷺ قال:إن هذه النار إنماهيعدولكم،فاذا نمتم فاطفِؤهاعنكم{

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک گھر رہنے والوں سمیت جل گیا، ان لوگوں کا واقعہ نبی ﷺ سے بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ آگ تمہاری دشمن ہے، جب تم سونے لگو تو اس کو بجھادیا کرو۔

(۳)}قال:رسول الله ﷺ خمروا الآنية،وأجيفوا الابواب،واطفؤا المصابيح،فإن فاحرقت الفويسقةجزت الفتيلةأهل البيت{

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ''سوتے وقت'' برتن ڈھانپ دو اور دروازے بند کرلیا کرو اور چراغوں کو بجھالیا کرو کیونکہ چوہا بعض وقت بتی کھینچ لیتا ہے اور گھر والوں کو جلاتا ہے (کیونکہ اس سے آگ لگ جاتی ہے)

اس باب کے اندر بتلایا گیا ہے کہ رات کو سوکر، گھر میں آگ نہیں چھوڑنی چاہیے کیونکہ بسا اوقات وہ پھیل جاتی ہے اور نقصان ہوجاتا ہے۔ باب کے اندر دوسری حدیث میں ہے کہ یہ آگ تمھاری دشمن ہے، ابن العربیؒ نے شرح ترمذی میں فرمایا ''معنی کون النارعدوً النا انھا تنافی ابداننا واموالنا منافاۃ العدو، وان کانت لنا فیھا منفعۃ لکن لا تحصل لنا منھا الا بواسطۃ'' یعنی آگ میں اگرچہ فائدہ بھی ہے لیکن براہ راست چونکہ وہ آدمی کے مال اور بدن کو جلا دیتی ہے اس لیے اس پر دشمن کا اطلاق کیا گیا۔

باب کی تیسری حدیث میں ہے ''سونے سے پہلے'' برتن ڈھانک لیا کرو دروازے بند کرلیا کرو، چراغ بجھادیا کرو، کیونکہ بسا اوقات چوہا بتی کو کھینچ کرلے جاتا ہے اور گھر والوں کو جلادیتا ہے۔ (کشف الباری ۵۹۳۵)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک چوہا آیا اور اس نے چراغ کی بتی کو کھینچا اور نبی ﷺ

کے سامنے مصلی پر ڈال دیا جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے،سو اس سے ایک درہم جتنی جگہ جل گئی،تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: جب تم سوؤ تو اپنی چراغوں کو بجھادو، کیونکہ شیطان اس قسم کی چیزوں کی رہنمائی کرتا ہے ،تا کہ تم کو جلادے ۔ (عمدۃ القاری ج۲۲ص۴۲۰۔نعم الباری ج۱۳ص۳۲۱)

وہ فیکٹریاں اوردوکانیں جہاں آگ بھڑکنے کا خطرہ ہو۔مالکان پر لازم ہے کہ آگ سے بچاؤ کا اہتمام اور دیگر حوادثات سے بچنے کے لئے خصوصی انتظام کرے۔مثلاً:اکسیجن گیس فائر بریگیڈر کی فون نمبر،خصوصی جیکٹ وغیرہ آلات۔

حاصل موضوع

الحمدللہ یہ رسالہ پایہ تکمیل کو پہنچا اس رسالہ میں موضوع کے تمام پہلوؤں پر حتی المقدور روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔اگرچہ موضوع میں مزید بحث کی گنجائش ہے جنہیں آئندہ انشاءشامل کردیا جائے گا۔

رسالہ کے مطالعہ سے آپ حضرات کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ شریعت جہاں پر دوسروں کو تکلیف دینے سے منع کرتا ہے وہاں پر خود بھی نقصان اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔اور یہ مشہور قاعدہ ہے

لاضرر ولاضرارافی الاسلام

اسلامی شریعت کے وہ اصول ہیں کہ جن پر چل کر آدمی دنیاوآخرت میں کامیابی پاسکتا ہے ۔کتاب میں دورجدید کے مسائل قابل مطالعہ ہیں تاکہ زندگی میں جب یہ مسائل سامنے آئے تو شریعت کے مطابق عمل کرنے میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

آخر میں قارئین حضرات سے درخواست ہے اگر آپ حضرات کو لگے کہ کتاب کے مطالعہ سے آپ کو فائدہ پہنچا ہے۔تو اپنی دعاؤں میں راقم الحروف اوردیگر معاونین کو ضروریاد رکھیں۔

ایک شاعر کہتا ہے:

ــــہ ستبقی خطوطی بر ھۃ بعد میتتی ـــــ علی انھا تبقی و تبلی انا ملی

ترجمہ: میرے لکھے ہوئے حروف ونقوش کتابوں اور فائلوں میں ایک زمانہ تک محفوظ رہیں گے جبکہ میرے انگلیوں کے پوروں کو مٹی کھا چکی ہوگی ۔(ج۶ص ۴۰۸۔(الدرالفرید وبیت القصید للمحمد بن ایدمر المستعصمی المتوفی ۷۱۰)

تم بحمد اللہ

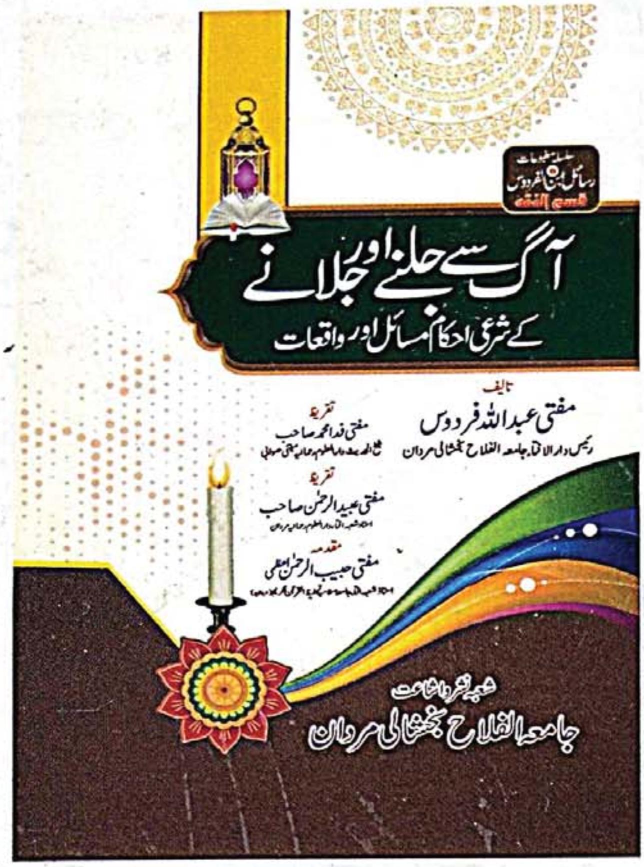
۲۷ شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ بمطابق ۲۴ اپریل ۲۰۱۸

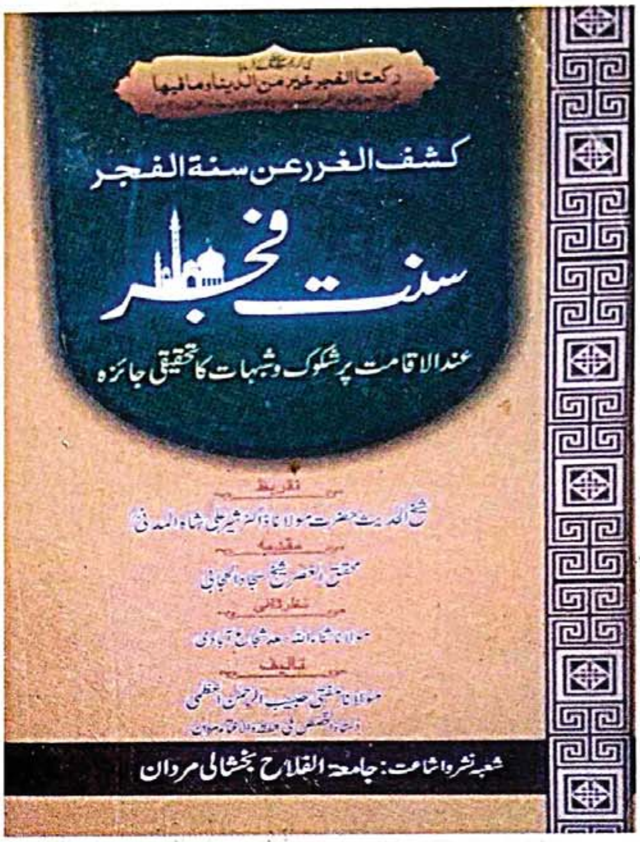
مراجع ومصادر

قرآن مجید ---------- کلام اللہ
معارف القرآن ----- مولانا مفتی محمد شفیع
تفسیر مظہری ----- قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ
لسان العرب ------ علامہ ابن منظورؒ
ہدم الجانی علی البانی --- جلال الدین سیوطیؒ
تدوین فقہ واصول فقہ -- مناظر احسن گیلانیؒ
موسوعہ فقہیہ ------ لجنۃ العلماء کویت
عمدۃ القاری ----- علامہ بدرالدین عینیؒ
نعم الباری ----- شیخ غلام رسول سعیدی
المعجم الاوسط --------- امام دارقطنیؒ
ترمذی شریف ----- امام عیسیٰ بن سورۃؒ
بخاری شریف ---- محمد بن اسماعیل بخاریؒ
بیان القرآن حکم الامت اشرف علی تھانویؒ
معالم العرفان ------ شیخ عبدالحمید سواتیؒ
علوم القرآن ------ مفتی تقی عثمانی مدظلہ
تفسیر کبیر ---------- امام رازیؒ
روح المعانی -------- علامہ آلوسیؒ
سلف صالحین کے ایمان افروز
واقعات -------- مولانا نعمان صاحب
معارف ام القرآن -- مولانا نعمان صاحب
موطا امام مالک ---------- امام مالکؒ
مصنف عبدالرزاق ---- امام عبدالرزاق
"الحاوی للفتاوی ------- جلال الدین سیوطیؒ
تبصرۃ الحکام --------- امام ابن فرحون
الاستعاب --------- علامہ ابن عبدالبرؒ
نسیم الریاض ---------- -- امام خفاجیؒ
مسند احمد -------- -- امام احمد بن حنبلؒ
التراتیب الاداریہ ---- علامہ عبدالحی کتانیؒ
موسوعۃ فقہ مصر --------- لجنۃ العلماء
فتاوی دارالعلوم زکریا مفتی رضاء الحق مدظلہ
سیرت النبی ﷺ --------- علامہ شبلیؒ
تاریخ دمشق --------- امام ابن عساکر
کنز العمال -------- علی متقی الہندیؒ
تاریخ کے بکھرے موتی مولانا اصغر کرنالوی
جوہرات علمیہ ---- ابواحمد حافظ محمد سلیمان
آئین اکبری -------- ازابوالفضل

تاریخ ابن کثیر۔۔۔۔۔۔حافظ عماد الدین
احتساب قادیانیت۔۔۔مولانا نظام الدین
حیات الحیوان اردو۔۔۔۔۔۔علامہ دمیریؒ
تاریخ طبری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔امام طبریؒ
علامات محبت۔۔۔۔۔۔مولانا حکیم اختر
ملفوظات حکیم الامت۔۔۔اشرف علی تھانویؒ
اشرف الجواب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایضا
جلالین شریف۔۔۔۔۔۔جلال الدین سیوطیؒ
البنایہ شرح الھدایۃ۔۔علامہ بدرالدین عینیؒ
فتاویٰ حقانیۃ۔۔۔۔۔۔۔۔شیخ عبدالحق
روضۃ الطالبین۔۔۔۔۔۔۔۔۔امام نوویؒ
فتح القدیر۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ ابن ہمامؒ
حاشیہ ابن عابدین۔۔محمد بن عمر ابن عابدین
مراقی الفلاح۔۔۔۔۔۔۔علامہ شرنبلالیؒ
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔۔۔مفتی عزیز الرحمنؒ
بدائع الصنائع۔۔۔۔۔۔۔علامہ کاسانیؒ
کتاب النوازل۔۔۔۔۔۔سلمان منصور پوریؒ
دنیا کی عظیم کتابیں رابرٹ بی۔ڈاؤنز ترجمہ
۔۔۔۔۔۔۔غلام رسول مہر
نیل الاوطار۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ شوکانیؒ
التجنیس والمزید۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ مرغینانیؒ
مجمع الانھر۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ شیخی زادہؒ
السراج المنیر۔۔۔۔۔۔ ۔۔وھبہ ذوحیلیؒ
کبیری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ حلبیؒ
کتاب الفتاوی۔۔۔۔۔سلمان منصور پوری
المبسوط۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔امام سرخسیؒ
خیر الفتاوی۔۔۔۔۔مولانا خیر محمد جالندھریؒ
المسائل المھمۃ۔۔۔۔۔۔مفتی جعفر ملی رحمانی
الفتاوی الھندیہ۔۔۔۔۔۔۔لجنۃ العلماء
فتاوی عثمانی ۔۔شیخ اسلام مفتی تقی عثمانی مدظلہ
نوادر الفقہ۔۔۔۔۔مفتی اعظم رفیع عثمانی مدظلہ
المدوّنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مالک بن انسؒ
فتاوی رحیمیہ۔۔ ۔۔مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ
فتح الباری۔ ۔۔۔۔۔علامہ ابن حجر عسقلانیؒ
معلم الحجاج۔۔مولانا قاری سعید احمد صاحب
تلخیص کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کا شرعی
حکم (مترجم:۔۔۔۔۔۔شیخ ناصر بن حمد الفہد
مجموعہ رسائل۔۔۔۔۔علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ
کشف الباری۔۔شیخ الحدیث سلیم اللہ خانؒ
کشف الغمۃ عن جمیع الأمۃ۔۔۔علامہ

شعرانیؒ
اہم فقہی مسائل-----مفتی فدا صاحب
التنویر مع الدر--------علامہ حصکفیؒ
سیرت مصطفیٰ----مولانا ادریس کاندھلویؒ
موضوعات کبیر--------ملا علی قاریؒ
مریض ومعالج کے اسلامی
احکام--------مفتی عبدالواحد مدظلہ
فتاوی بینات------یوسف لدھیانویؒ
درس ترمذی------مفتی تقی عثمانی مدظلہ
الاشباہ والنظائر---------علامہ ابن نجیمؒ
شرح المجلہ----------سلیم رستم باز
حصن حصین--------مولانا محمد ادریس
الفقہ الاسلامی وادلتہ------وھبہ زحیلیؒ
فتاوی مظاہر علوم-علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ
تفسیر ابن عطیہ--------علامہ ان عطیہؒ
فتاوی محمودیہ------مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
شرح نووی علی مسلم--------امام نوویؒ
قاموس الفقہ-----مولانا خالد سیف اللہ
فتاوی قاضیخان-----امام حسن بن منصورؒ
شرعۃ الاسلام----امام زادہ محمد بن ابی بکر
جمع الفوائد-------امام محمد بن محمد السوسیؒ
مرقاۃ المفاتیح---------ملا علی قاریؒ
بہشتی زیور------حکیم الامت تھانویؒ
امداد الفتاوی-----------ایضا
امام حسن بصری رحمہ اللہ احوال وآثار---
اکام المرجان--- -------علامہ شبلیؒ
حیاۃ صحابہ----مولانا ادریس کاندھلویؒ
تفسیر درمنثور-----علامہ جلا الدین سیوطیؒ
وراثت اور مشترکہ ترکہ کے
شرعی احکام----مفتی ضیاء الرحمن صاحب
ہر واقعہ بے مثال----مولانا آفتاب عالم


آگ سے جلنے اور جلانے
کے شرعی احکام مسائل اور واقعات
تالیف
مفتی عبداللہ فردوس
تقریظ
مفتی فدا محمد صاحب
تقریظ
مفتی عبید الرحمٰن صاحب
مقدمہ
مفتی حبیب الرحمٰن اعظمی
شعبہ نشر و اشاعت
جامعہ الفلاح بخشالی مردان


رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیہا
کشف الغرر عن سنة الفجر
سنت فجر
عندالاقامت پر شکوک وشبہات کا تحقیقی جائزہ
تقریظ
مقدمہ
تالیف
شعبہ نشر واشاعت: جامعة الفلاح بخشالی مردان